منظر سے ہٹ کر

نایاب جیلانی

نایاب جیلانی

منظر سے ہٹ کر

"کبھی کبھی چھوٹا سا ذہن بڑے بڑے کارنامے سر انجام دے دیتا ہے۔" اس نے کہیں پڑھا تھا اور پھر خود ہی "سچ" کر دکھایا۔ اسے خود بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا معمولی سا دماغ لڑانے کے بعد صورت حال اس قدر قابو میں آجائے گی۔ بکھری چیزیں سمٹ جائیں گی! رویے 'لوگ' حالات 'سچویشن اس کے کنٹرول میں آجائے گی۔ سب کچھ ایک معمول کی طرح ٹھیک ہو جائے گا۔

کچھ لوگ ڈگریوں کی تعداد سے ذہانت کی اونچائی اور گہرائی کا اندازہ لگاتے ہیں۔ اور کم تعلیم یافتہ لوگوں کی ذہانت کی آزمائش سے پہلے ہی انہیں "کم عقل 'کند ذہن" اور احمق قرار دے دیتے ہیں۔

دراصل ایسی سوچ رکھنے والے لوگ خود بلا کے کند ذہن اور احمق ہوتے ہیں۔

اور زوہیب بڑی دلیری کے ساتھ خود کو ایسے القابات سے نواز سکتا تھا۔

دراصل اس کے ساتھ ہوا بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

گزشتہ واقعات پہ نظر دوڑاتے اسے اب اس کا اندازہ ہو رہا تھا.... اور ساتھ ہنسی کا دورہ پڑ رہا تھا۔ دو خواتین میں "ریس" لگی تھی۔ دونوں مہذب انداز

مکمل ناول





میں ایک دوسرے پہ ذہنی طور پر سبقت لے جانا چاہتی تھیں۔(زوہیب کو اسے سہج سہج سیڑھیاں اترتے دیکھ کر پوری کی پوری کہانی سمجھ میں آگئی تھی اور اب وہ ہنس رہا تھا) ان میں کند ذہن خاتون نے 'ذہین و فطین خاتون کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اپنا چھوٹا سا دماغ لڑا کر..... کچھ ساعتوں اور گھڑیوں کے لیے منظر سے ہٹ کر۔

اس وقت صوفے پہ لیٹ کر اپنی ہیجان آمیز خوشی کو قابو کرتا 'سیڑھیاں اترتی ''نصف بہتر'' کو دیکھ کر اسے اپنے بھی ''الو'' بنائے جانے پہ غصہ آنے کے بجائے ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔

پچھلے کئی گھنٹوں سے انتہائی گرمی 'تپش لو اور دھوپ میں سڑکوں پہ مارا مارا پھرنے 'خاک چھاننے' رشتے داروں کے گھروں میں پاگلوں کی طرح اس کی

تلاش میں جانے کی تمام تر ریاضت کا غصہ 'اشتعال اور صدمہ اسے سیڑھیوں سے 'اپنے ہی گھر کے اوپر والے پورشن سے برآمد ہوتے دیکھ کر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

اور وہ بڑے کھلے انداز میں 'ہر قسم کے نسوانی خطرناک وجود سے پاک ہوئے گھر میں گھومتی کھلکھلاتی ہوئی زوہیب سے اترا اترا کر پوچھ رہی تھی۔

''اب بتائیں سرتاج جی! بھلا کند ذہن کون؟'' اور زوہیب پہ ایک مرتبہ پھر ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔



فضا میں مجیروں کی سحر انگیز آواز گونج رہی تھی۔ کبھی آواز آتی 'کبھی گم ہو جاتی تھی۔

مٹی کی دیواروں میں کھدے طاقچے خالی تھے۔ اندھیرے میں یوں لگتا جیسے طاقچوں میں دیے رکھنا یاد نہ رہا ہو۔ لیکن طاقچے خالی نہیں تھے۔ ان میں ایک ایک دیا موجود تھا۔

وہ دیوار ٹٹولتی نچلی پڑچھتی سے ماچس اٹھا کر طاقچہ تک آئی تھی۔ دیوں میں تیل بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس نے واپس جا کر اسی پڑچھتی سے تیل کی بوتل اٹھائی اور دیوں میں تیل کی دھاریں بھرنے لگی۔ پھر ماچس کی تیلی نکال کر رگڑی تو اک ننھا سا شعلہ اندھیرے میں نمودار ہو گیا۔ اس نے دونوں دیوں کو روشن کیا اور کچے کمرے میں پھیلی روشنی میں ٹائم دیکھنے کے لیے چھوٹا سا ٹائم پیس اٹھا لیا۔

فجر ہونے میں ایک گھنٹہ بیالیس منٹ تھے۔

اس کے پیروں میں پھر سے پہیے بندھ گئے..... کچے کوٹھے سے نکل کر وہ احاطے میں آچکی تھی۔ پورا احاطہ رات کی ساحرہ کے چنگل میں بے بس 'خاموش تھا۔ دور ویرانوں سے جانوروں اور کتوں کے بھونکنے کی آواز آتی تھی۔ اس کے علاوہ پورے عالم پہ سکوت طاری تھا۔

احاطے کے ایک طرف بندھے جانوروں کی بدبو نتھنوں میں گھستی تو اسے ابکائی آنے لگتی تھی۔ اسے اپنے ہی گھر کے دیہی 'غلیظ اور خستہ حال ماحول سے گھن آتی۔

ایک بڑا عرصہ بڑے شہروں کی ہوا کھانے کے بعد دیہات میں ایک لمحہ بھی ٹکنا محال تھا۔ اسے اب پتا چلا تھا کہ اس کا پڑھا لکھا کرنل چاچا یہاں کیوں نہیں آتا تھا۔ بھلا یہاں تھا ہی کیا؟ گند 'غلاظت 'جانوروں کے گوبر کی بساند۔ ٹوٹی سڑکیں 'ابلتے نالے 'بھوک 'افلاس 'جہالت 'اس کا بھرا ہوا دل اور بھی بھرنے لگا۔ وہ شہر میں جاب کرتی تھی۔ لیکن جمعہ کو لازمی واپسی کا سفر کرنا پڑتا۔ اگر جمعہ کو تعطیل نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی گھر نہ لوٹتی۔

اور اب اس کے ٹرانسفر آرڈر آچکے تھے۔ ایک ہفتہ پہلے اسے چھٹی ملی اور وہ مجبوراً'' واپس اسی ماحول میں آ گئی۔ جس ماحول سے اسے سخت ترین نفرت تھی۔ اور آج فجر کے بعد چلنے والی پہلی ویگن سے اس کے حبس بھرے دنوں کا اختتام ہونے والا تھا۔ پوری رات خوشی کے مارے نیند نہیں آئی تھی۔

خوشی اس بات کی نہیں تھی کہ وہ اس قفس سے

نکلنے والی ہے۔

خوشی اس بات کی تھی۔ وہ محبوب کے شہر میں اترنے والی ہے۔



ایک گلابی دن طلوع ہوا اور بکھرتا ہوا اداس شام میں ڈھل گیا۔

سورج اپنی لالی سمیت آسمان کی وسعت میں کھو رہا تھا۔ پورب کی طرف سے مٹیالی گرد کے آثار نظر آتے تھے۔ یوں لگ رہا تھا' آندھی کا غبار ہر سو چھانے کی تیاری کر رہا ہے۔

شام بھی سرمئی ہو رہی تھی۔ آسمان پہ سیاہی مائل بادلوں کا بسیرا تھا۔ اس نے موسم کے تیور دیکھے تو دھڑ دھڑ کھڑکیاں' دروازے بند کرنے لگی۔ اندر سے رخسانہ کی آواز بھی آرہی تھی۔

"آندھی آنے والی ہے۔ کھڑکیاں دروازے بند کرو۔ فینا کو میرے پاس لاؤ۔ بادل گرجے تو ڈر جائے گی۔" ان کا اپنا ہی الارم بج رہا تھا۔ ہمیشہ وہ اپنا شور مچا کر اسے بوکھلائے رکھتی تھیں۔ یوں ہر سیدھا ہوتا کام بھی الٹ جاتا تھا۔

"دیکھ تو رہی ہیں۔ کھڑکیاں بند کر رہی ہوں پھر بھی" وہ جھنجلائی سی اپنے بیڈ روم کی طرف بھاگی تھی۔ اندر سے فینا کے رونے کی آواز آرہی تھی۔

اس نے فینا کو جلدی سے اٹھایا اور کھڑکیاں بند کرتی باہر آئی۔

"دیکھا نانا... ڈر گئی بچی.... کہا بھی تھا مجھے دے جاؤ" فینا کو روتے دیکھ کر انہوں نے اپنی گردن کھڑکی سے باہر نکال لی تھی۔ وہ جھنجلا کر فینا کو انہیں پکڑانے آئی تھی۔

"سو کے اٹھی ہے۔" وہ اس کی بھوک محسوس کر کے فیڈر لینے چلی گئی۔ وہ واپس آئی تو فینا دادی کی گود میں دوبارہ سو چکی تھی اور وہ فون سننے میں مصروف تھیں۔ چہرے پہ خاصے خوشگوار تاثرات تھے۔ وہ ان کی باتوں سے اندازہ لگانے لگی۔ "کیا کوئی آرہا تھا؟"

"کیوں نہیں' اس کا اپنا گھر ہے۔ پہلے بھی تو آتی تھی۔ کسی ہاسٹل میں کیوں رہے گی۔ ہمارے گھر رہے۔ اوپر گیسٹ روم میں.... پہلے بھی کہا تھا مگر وہ مانی نہیں۔" اس کی ساس کا موڈ بڑا تر و تازہ ہو گیا تھا۔ اور ایسا عموماً" کم کم ہی ہوتا تھا۔ ان کے چہرے پہ مسکراہٹ لانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ یا ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے کے برابر۔

اس نے سر جھٹک کر کان پھر سے ان کی باتوں میں لگائے تھے۔ ایسے کھد بدی ہو رہی تھی۔ شاید اس کی نند نے کال کی تھی؟

کچھ دیر بعد فون بند ہوا اور اس کی ساس نے پہلی مرتبہ خاصا مسکرا کر بتایا۔

"آمنہ کے جیٹھ کی بیٹی آرہی ہے.... ارے کیا میٹھی سی طبیعت ہے اس کی۔ ایسی چونچال کہ پورا سال ہنسی نہ رکے۔" وہ اپنی دھن میں بول رہی تھیں جبکہ شافیہ کے ہاتھ سے فیڈر گر پڑا تھا۔ وہ ایک دم سن ہو گئی۔

فضا میں مجیروں کے بجنے کا سحر پھیل رہا تھا۔

پائل کی کٹوریوں کو طبلے کے ساتھ تال دینے کے واسطے بجایا جا رہا تھا۔

فضا میں گھٹن تھی اور گھٹن سانس دبا رہی تھی۔ یوں لگتا تھا۔ فضا میں آکسیجن نہیں تھی۔ لیکن آکسیجن تو تھی پر سانس نہیں تھی۔ اور کیا سانس واقعی نہیں تھی؟

اس نے جلتی آنکھوں کو رگڑ رگڑ کر اندر بھرتی ریت کو زائل کرنا چاہا تھا۔ یہ ریت' کچی نیند کی کڑواہٹ کے اثر سے تھی۔

بار بار آنکھ لگتی اور کھلتی۔ وہ آنکھیں رگڑ رگڑ کر جاگنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ آج پورا دن کس قدر مصروفیت اور تھکاوٹ سے گزرا تھا۔

گرمی کی چھٹیوں کا کل پہلا دن تھا اور آج اوپر والے پورشن کی صفائی میں پورا دن نکل گیا تھا۔ اوپر والے پورشن کی صفائی بھی کسی شوق کے پیش نظر نہیں ہو

رہی تھی۔ "وجہ صفائی" کچھ اور تھی۔ صبح صبح زوہیب کی سب سے بڑی بھابھی کا فون آیا تھا۔

"نانو! ہم چھٹیاں گزارنے آرہے ہیں۔ اس دفعہ پورے بیس دن رہیں گے۔" ہما کی کال کے فوراً" بعد شافیہ کی ساس رخسانہ نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر آواز لگائی تھی۔

"شافی! جلدی سے اندر آکر میری بات سنو۔"

رخسانہ کے لہجے میں واضح خوشی اور جوش محسوس ہورہا تھا۔ شافیہ ان کے بغیر بتائے ہی سمجھ گئی تھی کہ ان کی بیٹی آمنہ کے بچوں کا نزول ہونے والا ہے۔

ایک تھکا دینے والے احساس کے ساتھ وہ کچن سے نکل کر ساس کے حضور حاضر ہوئی تھی۔ گوکہ آمنہ کا آنا بھی اسے ناگوار نہیں گزرا تھا اگر ناگوار لگتا بھی تو شافیہ کی اتنی جرات نہیں تھی جو وہ اپنی ناگواری کا کھلا اظہار کرسکتی۔

نہ ہی اس کی ساس ' نند اور شوہر نے اسے اتنی

جرات عطا کی تھی کہ وہ اپنی "رائے" کا اظہار کرسکتی۔

آمنہ ہی چھٹیوں میں بچوں کو دوبئی ' شارجہ ' ملائشیا لے کر جاتی تھی۔ ہر ٹور کے بعد وہ سب ایک ہفتے کے لیے یہاں ضرور آتے تھے۔ لیکن اس دفعہ شاید آمنہ نے اپنا پروگرام بدل لیا تھا۔ وہ لوگ بیرون ملک جانے کی بجائے یہاں آرہے تھے۔ اس لیے رخسانہ کی خوشی کا کوئی حساب نہیں تھا۔ انہوں نے اسے واضح اور دو ٹوک انداز میں بتادیا تھا۔

"اوپر والے پورشن پہ نگاہ کرم ڈال دو۔ ہر چیز مٹی مٹی ہورہی ہے۔ ہفتوں اوپر کا رخ نہیں کرتیں تم۔ اب تو سوا مہینہ ہوئے بھی تمہیں مہینے گزر گئے۔ بچی چوتھے مہینے میں لگ گئی ہے۔" انہوں نے لگے ہاتھوں اس کے "آرام" کے دنوں کو بھی جتلا دیا تھا گوکہ ان دنوں میں بھی اسے آرام نصیب نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی رخسانہ کو باتیں سنانے کا موقع مل گیا۔

"کل اتوار ہے' آج صفائی کرلو۔ کل زوہیب کے ساتھ جاکر کھانے پینے کا سامان لے آنا۔ بچوں کی پسند کا تمہیں پتا ہے۔ جو کچھ وہ کھاتے ہیں۔ سب کچھ لے آنا۔ پہلی مرتبہ تو رہنے کے لیے آئیں گے۔" ان کی سرخوشی کا عالم ہی کوئی اور تھا۔ شافیہ کے اندر خواہ مخواہ ہی محرومیاں اترنے لگیں۔

اس کے لیے اس انداز میں تیاری کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ پہلے اماں اور پھر ابا بھی چلے گئے۔ گوکہ بھائی تین موجود تھے۔ بھابھیاں بھی تھیں۔ لیکن یوں لگتا تھا اماں ' ابا کے بعد انہوں نے اکلوتی نند کو بھی دفن کر دیا تھا۔ بھائی ماشاءاللہ خوش حال تھے۔ اور اپنے گھروں میں مگن اور مشغول بھی۔ سو انہیں اپنی اکلوتی چھوٹی بہن کا کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا۔

بڑے بھائی تو خود ابو نانا ' دادا بن چکے تھے۔ باقی دونوں کی اولاد بھی جوان تھی۔ بڑے بھائی کے چاروں بچے شادی شدہ تھے۔ دراصل شافیہ 'اماں ' ابا کے بڑھاپے کی اولاد شمار ہوتی تھی۔

ایک بیٹی کی خواہش نے اماں کی گود میں بالآخر شافیہ کو ڈال ہی دیا۔ جب اس کے بھائی جان ' دو بچوں کے

باپ بن چکے تھے۔ شافیہ کی پیدائش بھی ایک المیہ تھی۔ کم از کم اس کے خاندان کا المیہ ہی تھی۔

شافیہ کا دنیا میں آنا ایک عجوبہ بن گیا۔ اماں بے چاری ایسے منہ چھپائے پھرتی تھیں جیسے شافیہ کو پیدا کر کے انہوں نے کوئی گناہ کردیا ہو۔

اماں اپنی بہوؤں کے طنز' باتوں ' طعنوں اور مذاق اڑانے کے خوف سے اپنی ننھی سی بیٹی کو اٹھاتی تک نہیں تھیں۔ پیار کرنا تو بہت دور کی بات تھی۔

لیکن ابا کا رویہ اس کے ساتھ بڑا والہانہ تھا۔ اکثر شافیہ کو اٹھا کر گلی میں باہر لے جاتے۔ تو کوئی بھی ان کا دوست مذاقاً" کہہ دیتا تھا۔

"کیا پوتی اٹھا کر لائے ہیں؟" تب ابا بڑے فخر سے بتایا کرتے تھے۔

"پوتی کیوں؟ میری اکلوتی بیٹی ہے شافیہ۔۔۔" ان کا لہجہ فخر و انبساط سے بھر جاتا تھا۔ اماں کی "شرمندگی" بھرے انداز کی نسبت ابا کا رویہ بڑا پر اعتماد ہوا کرتا تھا۔

اماں کا پہلا ہارٹ اٹیک ہی جان لیوا ثابت ہوا اور وہ دنیا چھوڑ گئیں۔ اماں کے بعد ابا بھی گم صم رہنے لگے تھے۔ اماں کے بعد ہی ابا کو اندازہ ہوا تھا شافیہ کی اپنے ہی گھر میں زندگی کس قدر مشکل میں ہے۔

بچپن تو جیسے تیسے بھابھیوں اور بھتیجے، بھتیجوں کی مار دھاڑ سہتے گزر گیا تھا۔ جیسے ہی وہ شعور کی دنیا میں آئی اس کے لیے سب کے رویے برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

بھابھیاں اس کی موہنی صورت سے خار کھاتی تھیں اور بھتیجیاں اس کی سفید دودھیا چمکتی رنگت سے جلتیں۔ ابھی دسویں جماعت کا نتیجہ آیا تھا، جب رشتوں کی لمبی لائن ہی لگ گئی۔ ابا تو بوکھلا گئے تھے اور بھائیوں نے صاف جواب دے دیا۔

"ابا! اتنی جلدی بھی کیا ہے؟" وہ جزبز ہو رہے تھے لیکن ابا کے سر پہ دھن سی سوار ہو گئی تھی۔

"میرے ہوتے ہوئے شافی کو کوئی نہیں پوچھتا۔ میں مر گیا تو اس کا کیا حال کرو گے؟" ابا کی ضد پہ بھائیوں کو چپ ہونا پڑا ان ہی دنوں اس کی بڑی بھتیجی

تانیہ کا بھی رشتہ آ گیا تھا۔ بھابھی تانیہ کی شادی کے لیے پرجوش کیا ہوئیں، ابا نے بھی آنے والے آخری رشتے پہ ہاں کر دی۔

زوہیب کا رشتہ تب آیا تھا جب ابا سارے اچھے اچھے رشتوں کو بھائیوں کی ملی بھگت کی وجہ سے کھو چکے تھے۔ بھائیوں کا خیال تھا۔ شافیہ ابھی چھوٹی ہے۔ پہلے تانیہ اور رانیہ کی شادی ہو۔ دونوں بی اے کر چکی تھیں۔ تب تک شافیہ بھی گریجویٹ ہو جائے گی لیکن ابا اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکے تھے۔ وہ تانیہ کے ساتھ ہی شافیہ کو رخصت کرنے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ لیکن ایسا ہو نہ سکا۔ تانیہ کے بعد رانیہ اور پھر سامعہ کی باری آ گئی۔ ابھی بھی بھابھی، بھائی متردد تھے۔ بھائی جان اور بھابھی کو دوہرا خرچہ ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ ان کی حتی المقدور کوشش تھی کہ شافیہ کی شادی رک جائے لیکن جیسے ہی ابا نے زوہیب کے

رشتے پہ ہاں کی اس کے گھر والوں نے ابا سے تاریخ لے کر ہی جان چھوڑی تھی۔ زوہیب کا رشتہ آخری رشتہ ثابت ہوا۔ بھابھیوں کی چالاکیوں سے پہلے سارے رشتے نامراد پلٹ گئے تھے۔ زوہیب کی طرف سے جلدی جلدی مچانے کا عقدہ بھی بعد میں کھلا۔

کہا جاتا ہے جو شروع میں مصیبت برداشت کرتے ہیں۔ آگے ان کے لیے آسانی ہوتی ہے۔ لیکن شافیہ کی دفعہ یہ مقولہ غلط ثابت ہو گیا تھا۔

اس کے لیے آگے بھی زندگی پھولوں کی سیج ثابت نہیں ہو سکی تھی۔ اگلی مشکلات پچھلی تکلیفوں سے بھی زیادہ بڑی لگتی تھیں۔ زوہیب کی اتنی جلدی شادی کے پیچھے بڑی ٹھوس وجوہات تھیں۔

وہ دوران تعلیم ہی جاب کر رہا تھا۔ جب وہ یونی ورسٹی سے فارغ ہوا تب شادی ہو گئی۔ شادی بھی بہت اچانک ہوئی تھی۔ اس کی امی کا ایکسیڈنٹ میں گھٹنا ٹوٹ گیا تھا۔ وہ ایک لمبے عرصے کے لیے بیڈ پہ تھیں۔ سو، زوہیب کی بہن آمنہ نے ماں کے لیے قرینہ قرینہ آیا تلاش کرنا شروع کر دی تھی۔ اس مقصد میں اسے کئی مرتبہ ناکامی کا سامنا ہوا۔ ہر دفعہ امی کی لمبی لمبی ٹیلی فون کالز پہ شکایتوں کے دفتر کھلے ملتے تھے۔

آمنہ جانتی تھی اس کی ماں بہت نخریلی ہے۔ انہیں نہ کوئی میڈ پسند آتی تھی اور نہ میڈ کا کوئی کام۔ ہر نوکرانی میں وہ سو سو کیڑے نکال کر اسے فارغ کر دیتی تھیں۔

"یہ گندی ہے۔ بار بار بال کھجاتی ہے۔"

کبھی کہتی تھیں۔ "اس کے ناخن میلے ہیں۔ بیلے پھٹک۔" آمنہ اندر تک دھنوا کر اس کے ناخن کٹواتی اسے صفائی پہ لمبے لمبے لیکچر دیتی۔ پھر بھی امی اسے نکلوا کر دم لیتی تھیں۔

کبھی کوئی کالی بھتنی، بدشکل، ہوتی کبھی کوئی بدبو سے بھری ہوتی، کسی کے سر میں جوئیں ہوتیں اور کوئی ایسی آوارہ آتی کہ انہیں لگتا کہ زوہیب پہ ڈورے ڈال رہی ہے۔

اس سارے تماشے کا ایک حل آمنہ نے سوچا اور اس پہ مہر لگ گئی۔
زوہیب کے لاکھ چلانے، جھگڑنے، دھمکانے کے باوجود آمنہ نے اس کے لیے لڑکی تلاش کرنے کی مہم شروع کر دی تھی۔ اس دفعہ آمنہ کوئی رسک نہیں لے سکتی تھی۔ یہ معاملہ نوکرانی کا نہیں تھا کہ پسند نہ آئی تو اسے فارغ کر دیا جاتا۔ وہ بہت چھان پھٹک کر لڑکی ڈھونڈ رہی تھی۔ اس کے میاں کرنل تھے اور اسے اپنے ہی حلقۂ احباب اعلیٰ سے اعلیٰ لڑکی مل سکتی تھی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اسے صرف زوہیب کے لیے ''بیوی'' نہیں چاہیے تھی بلکہ اپنی ماں کے لیے فل ٹائم خدمتگار کی ضرورت تھی۔
ایسی لڑکی جو نہایت متحمل مزاج، حلیم، کم گو، شریف، معصوم اور کسی حد تک دبّو ہو۔ جو اس کی ماں کے نخروں، غصے اور تیز مزاجی کو سہ سکے۔ بہت کوالیفائیڈ، بہت اعلیٰ مزاج، یا جاب کرتی کسی بھی لڑکی کو اس نے اپنی فہرست سے نکال رکھا تھا۔
اسے واجبی سی پڑھی لکھی لڑکی کی ضرورت تھی۔

ورنہ اس کے جیٹھ کی بیٹی کیا کم تھی۔ انتہائی لائق فائق، ہزاروں کماتی۔ پُرکشش، اسٹائلش۔ جیٹھانی نے کتنی ہی مرتبہ آمنہ سے کہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کے لیے فلک کو نظر میں رکھے۔ لیکن آمنہ جانتی تھی کہ فلک کے ساتھ اس کی امی کا گزارہ ممکن ہی نہیں۔
فلک زوہیب کے لیے بہترین بیوی ثابت ہو سکتی تھی لیکن امی کے لیے کیسی بہو ہوتی؟
گو کہ آمنہ کا اپنا بھی جھکاؤ آخری وقت تک فلک کی طرف تھا۔ پھر اسے لگتا بھی تھا کہ زوہیب اسے پسند بھی کرتا ہے۔ زوہیب کا ہر چھٹیوں میں بھاگ بھاگ کر آمنہ کے گھر جانا اور فلک کا بھی دوسرے ہی دن وہاں پہنچ جانا۔ آمنہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی بہت کچھ سمجھ رہی تھی۔
پھر جس شدت سے زوہیب شادی سے انکار کر رہا تھا آمنہ کو اور بھی یقین ہو گیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔

''زندگی ایک ہی مرتبہ ملتی ہے۔ اسے بھی اپنی پسند سے بندہ نہ گزارے۔'' وہ انتہائی دل برداشتہ تھا۔ ان دونوں کی آخری جھڑپ زوہیب کی شادی والی رات ہوئی تھی۔
''کر لی تم نے اپنی من مانی۔ خوش ہو جاؤ آپی!'' وہ بہت غصے میں تھا۔ بات بے بات کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ آمنہ اس کے غصے کو کسی خاطر میں نہیں لا رہی تھی۔ اسے امید تھی۔ شافیہ کو دیکھ کر اس کا غصہ خود بخود اتر جائے گا۔ اور شافیہ کو دیکھ کر تو اس کی نخریلی امی بھی لحہ بھر کے لیے چپ رہ گئی تھیں۔ پھر اس کا سرتاپا جائزہ لے کر بیٹی سے مخاطب ہوئیں۔
''خوب صورت ہے۔ ہاتھ پاؤں بہت نفیس ہیں۔ تم نے زوہیب کی دلہن بڑی ''سفید'' ڈھونڈی ہے۔ مجھے کالا رنگ پسند نہیں نا۔۔۔ اس لیے۔'' ساس صاحبہ کا تعریفی انداز بھی بڑا ہی عجیب تھا اور ان کے بیٹے کا انداز ماں سے بھی عجیب تر۔
یہ اس کی شادی کی پہلی رات تھی اور شوہر سے اس کا پہلا پہلا تعارف تھا اور شوہر ایسا نروٹھا جیسے شافیہ نے اس کے بڑے بڑے نقصان کر دیے تھے۔

اس نے بیڈ روم میں آتے ہی چلا کر کہا۔
''اتنا کارٹون بننے کی ضرورت کیا تھی؟ مقابلۂ حسن میں حصہ لینا تھا؟ یہاں سے کوئی آسکر نہیں ملے گا تمہیں۔'' اس نے اپنی طرف اشارہ کیا تھا۔ تب شافیہ اتنی ہکا بکا ہوئی کہ گھونگھٹ اٹھا کر شعلہ فشاں سرتاج کو آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگی۔ اسے اپنا ''دلہناپا'' بھی بھول گیا تھا۔
''ایسے کیا دیکھ رہی ہو! میرے سر پہ سینگ اگے ہیں کیا؟'' اس کے آنکھیں پھاڑنے پہ اسے اور بھی غصہ آیا۔ تب شافیہ کا بے ساختہ نفی میں سر ہل گیا تھا۔ وہ دھپ دھپ کرتا اس کے قریب آیا۔ اس کے جگمگاتے خیرہ کن حسن کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس نے چلا کر جتایا۔
''مجھے خوب صورتی ذرا بھی متاثر نہیں کرتی۔''

اس بات کا مفہوم شافیہ کے حسن کی نفی کرنا تھا۔ یعنی اس کا ایک ہی پلس پوائنٹ تھا جسے لمحوں میں "رول" دیا گیا۔ شافیہ کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

"پھر کیا چیز متاثر کرتی ہے؟" اس نے جی کڑا کر کے پوچھ ہی لیا۔ گو کہ وہ اتنی بہادر نہیں تھی پھر بھی اپنی دلیری کا ثبوت دے چکی تھی۔

زوہیب کو بھی اس سوال کی امید نہیں تھی۔ آمنہ نے جس انداز میں شافیہ کی خوبیاں بیان کی تھیں ان کا لب لباب کچھ یوں تھا۔

"بہت نرم، حلیم لڑکی ہے۔ مٹی کی مادھو سی، جس سانچے میں ڈھالو گے، ڈھل جائے گی۔ کبھی "اف" نہیں کرے گی۔" اور اس وقت وہی "مٹی کی مادھو" بڑے پُراعتماد انداز میں زوہیب سے سوال کر رہی تھی۔ اب کے زوہیب کو دھچکا لگا تھا۔

"یہ تو خاصی ہوشیار لگتی ہے، لگتا ہے آمنہ آپی کے ساتھ ہاتھ ہو گیا۔" یہ تبصرہ اس نے دل میں کیا تھا تاہم اس کا لہجہ پہلا سا تیز نہیں رہا تھا۔

"مجھے ذہانت متاثر کرتی ہے۔" زوہیب نے ناک چڑھا کر اس انداز میں کہا جیسے اس کی تحقیر کر رہا ہو۔ ایک "میٹرو کولیٹ" کو حقارت سے دیکھ رہا ہو۔ کیونکہ وہ خود ایک سافٹ ویئر انجینئر تھا۔ اس خوبی کی بنا پر اسے اپنی بیوی کی تحقیر کا پورا پورا حق تھا۔ اسی لیے وہ تن کے کھڑا تھا۔ اگر اس کے سامنے فلک ہوتی یا اس کی ہم پلہ کوئی لڑکی۔ تو زوہیب کا رویہ کیا ایسا ہوتا؟

"تو آپ کے پاس کون سا آلہ ہے؟ یا پیمانہ ہے؟ جس نے آپ کو بتا دیا کہ میں "ذہین" نہیں ہوں۔" شافیہ کی نرم پُراعتماد آواز نے زوہیب کو دوسری مرتبہ جھٹکا دیا تھا۔ وہ جو اپنے ہی کروفر میں کھڑا تھا لمحہ بھر کے لیے چپ سا ہو گیا۔

"اچھا۔" کچھ دیر بعد اس نے طنزیہ انداز اپنایا۔ "کیا کوالیفکیشن ہے تمہاری؟" اس کے لب و لہجے میں واضح استہزا نظر آ رہا تھا۔ پہلی مرتبہ شافیہ کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"ذہانت کیا ڈگریوں کی محتاج ہوتی ہے؟" شافیہ کے سوال نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ اسے خوامخواہ غصہ آنے لگا۔

"اور زندگی میں پہلا دولہا دیکھا ہے، جو اپنی شادی والی رات بیوی کی تعریف کرنے کے بجائے اس کی تعلیمی قابلیت پہ بحث کر رہا ہے۔" شافیہ کے اگلے الفاظ نے زوہیب کے سارے طبق روشن کر دیے تھے۔ آمنہ آپی کی ساری جھوٹی باتیں اس کا دماغ ہلا رہی تھیں۔

"بہت کم گو ہے۔ منہ میں جیسے زبان ہی نہیں۔ بہت معصوم ہے، بے ضرر سی۔"

اس کا دل چاہ رہا تھا الٹے قدموں اوپر والے پورشن تک جائے اور حالت نیند سے آمنہ کو اٹھا کر ادھر لے آئے۔ آخر "بے زبان گائے" کے درشن بھی تو کروانے تھے۔

"تمہیں دولہوں کا بڑا تجربہ ہے۔" کوئی اور بات نہ مل سکی تو وہ بلا سبب ہی چڑھ دوڑا۔ "اور یہ مت سوچنا میں تمہارے حسن کی تعریف کروں گا۔"

"آپ سے توقع بھی نہیں۔" وہ زیر لب بڑبڑائی تھی پھر بھی اس کی بڑبڑاہٹ زوہیب نے سن لی۔

"تم بہت چالاک ہو۔"

"کیا یہ تعریف ہے! آپ یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں۔ میں بہت ذہین ہوں۔" شافیہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ نمودار ہوگئی تھی۔

"ہونہہ' میٹرک پاس' گھر میں بیٹھی' بھابھیوں کے چنگل میں پھنسی لڑکیاں کچھ اور نہیں' چالاکیاں خوب سیکھ لیتی ہیں میں تمہیں ذہین نہیں' چالاک کہہ رہا ہوں۔" اسے بھی شافیہ کو تپا کر مزہ آرہا تھا۔ جتنا وہ کلس' کلس کر اندر آیا تھا۔ اسی قدر اسے جلا کر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔

"آپ نے کافی ریسرچ کر رکھی ہے۔" اس نے ملائم لہجے میں اسی کا جملہ اسی پہ لوٹایا تھا۔ زوہیب کی بھنویں تن گئیں۔

"زیادہ اوور ایکٹ مت کرو۔" زوہیب کا انداز تنبیہی تھا۔ وہ دھپ دھپ کرتا ڈریسنگ روم میں چلا گیا تھا۔ کافی دیر کی کھٹ پٹ کے بعد واپسی ہوئی تھی۔ اسے سابقہ حالت میں دیکھ کر وہ چڑ گیا۔

"ہونا' کم عقل اور بدھو! بلکہ جاہل کہنا مناسب رہے گا۔ ابھی تک براجمان ہو۔ جانے کس آس میں ۔۔۔ کوئی ۔۔۔ کوالیفائیڈ لڑکی ہوتی تو سمجھ جاتی ۔۔۔ کہ اسے گھاس پڑنے والی نہیں۔" شافیہ نے اس کا طنز بڑے حوصلے سے پی لیا تھا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"اس کمرے میں ایک ہی ڈریسنگ روم ہے۔ جو آپ کے زیر استعمال تھا۔ آپ کی شاہی سواری باہر تشریف لاتی تو مجھے اندر جا کر چینج کرنے کا موقع ملتا۔" شافیہ کا متحمل انداز زوہیب کو آگ ہی لگا گیا تھا۔ اس نے اسے اچھا خاصا خفیف کر دیا تھا۔

"اور گھاس کی بھی آپ نے خوب کہی' عالی جاہ! میں گھاس نہیں کھاتی۔" وہ اپنا لہنگا سنبھال کر جھپاک سے اندر چلی گئی تھی۔

ایک لمبا سا طویل شاور لے کر اعصاب کو پر سکون کیا تھا۔ زوہیب صاحب تو اس کی توقع سے بھی زیادہ پیچیدہ نکلے تھے۔ والدہ کیا الجبرا کا کم پیچیدہ سوال تھیں

'بیٹا ان سے بھی چار ہاتھ آگے نکلا تھا۔

شافیہ کو اپنا کٹھن مستقبل صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ان ماں بیٹے کے ساتھ نباہنا آسان نہیں تھا اور شافیہ کا تو یہ حال تھا کہ آگے کنواں اور پیچھے کھائی۔ نہ آگے بڑھ سکتی تھی نہ پیچھے۔ آگے سے زیادہ پیچھے خوفناک کھائیاں تھیں۔ تین مکار بھابھیوں کی صورت میں۔

اگر زوہیب اسے نہ اپناتا تو وہ کہاں جاتی' اس کا فیوچر کیا ہوتا؟ ایک بات تو طے تھی' اسے واپس نہیں جانا تھا۔ اسی گھر میں رہنا تھا۔ زوہیب جیسے اکھڑ' جھگڑالو شوہر کے ساتھ گزارا کرنا تھا۔ اتنا تو وہ جان ہی چکی تھی کہ زوہیب اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ اس کی من چاہی نہیں تھی۔ وہ اس کے دل میں جگہ نہیں بنا سکتی تھی۔

جس کی فی الحال ایک ہی وجہ سمجھ میں آئی تھی کہ شافیہ کے پاس ڈگریوں کے انبار نہیں تھے۔ وہ زوہیب جتنی پڑھی لکھی نہیں تھی۔ لیکن وہ کوئی جاہل' اجڈ' بدسلیقہ تو نہیں تھی۔ اسے بولنے' پہننے اوڑھنے کا سلیقہ تھا۔ وہ سمجھ دار تھی اور اس کے ابا کہا کرتے تھے۔

"شافیہ کی اماں اپنی ساری فراست' وراثت میں اسے دان کر گئی ہیں۔ تینوں بیٹے اس فہم اور شعور سے بے بہرہ ہیں۔"

وہ تو ابا تھے جنہیں اپنی بیٹی چلتی پھرتی قابلیت کا مجسمہ دکھائی دیتی تھی اور ابا جیسی خوردبین زوہیب کے پاس نہیں تھی۔ اور زوہیب نے فی الوقت اسے ناپسند کرنے کی ایک ہی وجہ بتائی تھی۔ جو شافیہ کے معاملہ فہم دماغ کو قطعاً "ناکافی" لگی تھی۔ اس کے پاس اتنا شعور تو تھا کہ وہ سمجھ سکتی کہ کوئی بھی شوہر شادی کی پہلی رات' بیوی کے حسن و ادا کو سراہنے' بجائے ڈگریوں کا رونا نہیں روتا۔ نہ قابلیت کی بحث کرتا ہے۔ نہ کوالیفکیشن پہ ماتم کرتا ہے۔

وجہ کچھ اور تھی یا وجہ' کوئی' اور تھی؟ کیا!!!

باہر خوب صورت رات کا فسوں پھیل رہا تھا۔ اور

اندر اس کے ذہن کو آکٹوپس کی طرح مختلف سوچوں نے جکڑ رکھا تھا۔ پھر کچھ ہی دیر بعد باہر سے آواز آئی تھی۔

"کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ سوچنے کے لیے واش روم اچھی جگہ ہے مگر اتنی بھی نہیں۔ باقی معاملات پہ غور باہر آکر بھی کیا جا سکتا ہے۔" ایسا شاندار طنزیہ انداز بھلا کس کا ہو سکتا تھا؟ اس نے گہری سانس کھینچ کر بال تولیے کی قید سے آزاد کیے۔ پھر چٹخنی گرا کر باہر آگئی۔

زوہیب طنز کے تیر کمان سے نکال کر واپس بستر پہ فروکش ہو چکا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے پھر سے تیوریوں کو تیار کر لیا تھا۔ آخر جی بھر کے بھڑاس بھی نکالنا تھی۔

شافیہ نے تلے قدم اٹھاتی سنگھار میز کے سامنے آ رکی۔ تراشیدہ بالوں میں برش پھیر کر اس نے لوشن اٹھا لیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر خود کو مصروف رکھ رہی تھی اور اگلا لائحہ عمل سوچ رہی تھی۔ جتنی زوہیب اس کی انسلٹ کر سکتا تھا' کر چکا تھا وہ خود کو مزید بے عزت کروانا نہیں چاہتی تھی۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ اسے آگے کیا کرنا چاہیے؟ کیا بستر اٹھا کر باہر چلے جانا چاہیے؟ یا اسی کمرے کے کسی کونے میں پڑ کے سو جانا چاہیے؟

بھلا وہ کس طریقے سے زوہیب کو صاف نظر انداز کر کے بدلہ لے سکتی تھی؟ گو کہ بدلہ لینا اس کی سرشت میں نہیں تھا پھر بھی... ایسے مغرور لوگوں کو ضرور جتانا چاہیے کہ جنہیں حقیر سمجھ رہے ہیں وہ کوئی ایسے گئے گزرے بھی نہیں۔

"مسئلہ فلسطین حل کر چکی ہو تو تشریف لے آؤ... تم سے ذاتی معاملات پہ بھی بات چیت کرنی ہے۔ عالمی مسائل پہ کسی اور دن غور و فکر فرما لینا۔" اس کی پشت کو گرم نگاہوں سے گھورتا زوہیب چوٹ کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ شافیہ نے گہرا سانس کھینچ کر پلٹ کے دیکھا۔ وہ تکیہ دوہرا کیے اس پہ کہنی ٹکائے' اب خاصی پُرشوق نگاہوں سے بغور دیکھ رہا تھا۔ یوں کہ شافیہ کے قدم لحہ بھر کے لیے ڈگمگا گئے تھے۔

"کیا ہے؟" اب کے اس کی آواز مدہم تھی۔

"یہاں آؤ۔" اس نے اپنی طرف والی سائیڈ پہ آنے کا اشارہ کیا تھا۔ شافیہ کو کچھ اچنبھا ہوا تھا۔ تاہم وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب آگئی۔ گو کہ ایک حد فاصل برقرار تھی۔ پھر بھی زوہیب نے جتایا۔

"میں نے اتنا بھی قریب آنے کو نہیں کہا۔" شرمندہ کرنے میں تو اس نے پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔ شافیہ پہ گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ اس کا چہرہ بھی خفت سے سرخ ہوا۔

"مسئلہ کیا ہے آپ کے ساتھ؟" وہ شدید جھنجلاہٹ کا شکار ہوئی تھی۔ وہ اسے جھنجلایا ہوا ہی دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اندر تک لطف اندوز ہوا تھا۔

"میرے ساتھ ایک نہیں بہت سے مسئلے ہیں۔ تم کون کون سے سننا چاہتی ہو؟" زوہیب نے مسکرا کر کہا تھا۔ اس کی مسکراہٹیں ہونٹوں کے کناروں سے نکل رہی تھیں۔ شافیہ نے بڑے ضبط سے جتلایا۔

"ہر ایک۔"

"کیا میرے مسئلوں کے حل بھی نکالو گی...؟" وہ بیڈ پہ پھیلتے ہوئے مسکرایا۔

"کوشش کروں گی۔" اس کا انداز جان چھڑانے والا تھا۔

"ایک مسئلہ تو تم ہو... پہلے اسے حل کرو۔" زوہیب کی پہلے والی جھلاہٹ ختم ہو چکی تھی۔ آمنہ پہ آیا غصہ بھی تمام ہو چکا تھا۔

"میں...!" شافیہ کا دماغ ہی گھوم گیا تھا۔ بندے کو اتنا بھی صاف گو نہیں ہونا چاہیے۔

"کیا آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں؟" اس نے تپتے دماغ کو بمشکل قابو میں رکھ کر حلاوت سے پوچھا تھا۔ وہ قطعاً "غیر جذباتی لڑکی تھی۔ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک جذباتی ہو کر واویلا کر کے واک آؤٹ کر چکی ہوتی۔ لیکن اسے خود کو پرسکون رکھنا تھا۔ کوئی خراب سچویشن پیدا کرنے میں اس کی اپنی ہی رسوائی اور جگ ہنسائی تھی۔

اس کا حلیم لہجے میں پوچھا گیا سوال زوہیب کے دل

پہ لگا تھا۔ اس نے برجستہ کہا۔
"میں نے یہ کب کہا...؟"
"تو پھر؟" شافیہ کی آنکھوں میں سوال تھا۔ گو کہ وہ اس کے بدلے بدلے انداز سمجھ چکی تھی۔ اس کے مزاج کی حلیمی بھی اندر کے "بدلاؤ" کی طرف واضح اشارہ تھی۔ یعنی جناب اب اپنی اصلی حالت میں آ رہے تھے۔ صلح جوئی کا موڈ ہو رہا تھا۔
"پھر یہ کہ تم واقعی ڈفر ہو۔ انتہائی بدھو 'آؤ تمہاری کچھ تعریف کردوں... ایکچوئلی! دل توڑنے کا گناہ میں کبھی نہیں کرتا۔" اس نے مسکرا کر شافیہ کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ میکانکی انداز میں اس دھوپ چھاؤں کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

بقیہ زندگی اس دھوپ چھاؤں جیسے مزاجا" گرگٹ کے ساتھ گزارنا ایک صبر آزما مرحلہ تھا۔
وہ اپنی ماں کی طرح انتہائی نخریلا' ضدی' کچھ کچھ ہٹ دھرم اور ناک تک عاجز کردینے والا بندہ تھا۔ یہ دونوں ماں بیٹا' شافیہ کے لیے ایک امتحان تھے۔

امی صاحبہ تیز مزاج کی تیکھی سی خاتون تھیں۔ انتہائی صفائی پسند... دن میں تین' تین مرتبہ تو اس کی واش روم تک ریڈ کرواتی تھیں۔
"جاؤ نہا کر آؤ۔ گرمی میں لوگ آٹھ آٹھ مرتبہ نہاتے ہیں... تم ایک ہی لباس فاخرہ میں پورے دن گھومتی ہو۔"

پسینہ ان کی برداشت سے باہر ہوتا تھا۔ یوں دن میں... تین مرتبہ نہا کر ہر دفعہ نیا استری شدہ جوڑا پہن کے' ہلکے پھلکے میک اپ' جیولری' خوشبو میں خود کو بھگو کے ساس صاحبہ کے کمرے میں حاضری دینا ہوتی تھی۔

اس طرح ہمہ وقت تیار رہنے کی عادت تو اس کی پختہ ہو چکی تھی۔ وہ مشین بھی لگا رہی ہوتی تو انتہائی نک سک سے تیار ہو کر... کیونکہ اس دوران اگر ساس صاحبہ کا بلاوا آجاتا تو اپنی تیاری میں وقت ضائع ہوتا۔ دیر ہونے کی صورت میں بھی امی "گت" بنا دیتی تھیں۔
"وہ سنگھار ختم نہیں ہوتا تمہارا... دو منٹ لگتے ہیں تیاری میں۔ تم بہت سست ہو۔ گھنٹہ گھنٹہ آرام سے ضائع کرتی ہو۔ سب کام چوری کی علامتیں ہیں۔"
ایک سیکنڈ کی دیر کرنے پہ وہ پچھلی ہر محنت پہ بہت سلیقے سے برش پھیر دیتی تھیں اور ذرا جھجکتی... نہیں تھیں۔ کچن میں جانے سے پہلے بھی یہی صورت حال ہوتی۔ پہلے وہ خود کو سنوارتی' پھر کچن میں جاتی۔
گو کہ تین افراد کی وجہ سے کام اتنا نہیں ہوتا تھا۔ زوہیب تو دن بھر گھر میں نہیں ہوتا تھا۔ وہ دونوں ہوتی تھیں اور اب تھی فہنا۔ فہنا کے بعد شافیہ کی خود کو "مین ٹین" رکھنے والی عادت برقرار نہیں رہ سکی تھی۔ وہ ہر چیز میں الجھ گئی تھی۔ صفائی کی دو' دو دن ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ لیکن مجال تھی جو ایک دن بھی بغیر صفائی کیے گزر جاتا۔ ہر روز جھاڑو' پوچا' ڈسٹنگ۔ ایک ایک چیز چیکانی پڑتی تھی۔ فرش بھی پوچے لگا لگا کر شیشہ بنائے جاتے تھے۔ پھر بھی امی کی تشفی نہ ہوتی۔ وہیل چیئر پہ بیٹھ کر پورے گھر کا چکر لگاتی تھیں۔ کونوں کھدروں سے نادیدہ گرد انگلی پھیر پھیر کے نکال لیتی تھیں۔ پھر وہ ایک انگلی زوہیب کے آنے تک گرد میں لتھڑی رہتی۔
"دیکھا تم نے... بہت ہڈ حرام ہے تمہاری بیوی۔ ذرا میری آنکھ لگے اور یہ کوڑا کونوں میں گھسا کر خود آرام کرنے چلی جاتی ہے۔ بہت نکمی ہے سارا فرنیچر دھول مٹی ہے۔ کوئی چیز صاف نہیں۔" وہ ایک ایک ڈیکوریشن پیس اور ایک ایک چیز کی طرف اشارہ کر کے بتاتی تھیں۔ تب ٹی وی دیکھتا زوہیب چونک جاتا۔
"کیا واقعی؟" اس کی آنکھوں میں استعجاب ہوتا تھا۔
"سارا فرنیچر تباہ کر دیا ہے اس نے۔ بہت کام چور لڑکی ہے۔ آمنہ سے کہا بھی تھا۔ یہ لڑکی "مسکنی" لگتی ہے۔ بعد میں رنگ دکھائے گی۔ دیکھا' وہی ہوا۔" وہ بیٹے کی توجہ پا کر اور بھی فارم میں آجاتی تھیں۔ تب کچن میں کام کرتی شافیہ اندر تک کلس

جاتی۔

"تو کیا بدل دیں ۔۔۔ ؟" زوہیب کی پُرجوش آواز سنائی دیتی۔ شافیہ کے کام کرتے ہاتھ سست پڑ جاتے تھے۔

"شافیہ کو۔۔۔؟" امی کو چھکار کے کیا ہی کہنے ہوتے۔

نوکرانی ہوتی تو اب تک دس مرتبہ بدل چکی ہوتیں۔ مسئلہ یہ تھا۔ شافیہ زوہیب کی بیوی تھی۔

"نہیں، آپ کے جہیز والے پرانے فرنیچر کو۔۔۔ اُبکچو ئلی امی! یہ اپنا حسن اور چمک دمک کھو چکا ہے۔ جتنا بھی پونچھا جائے چمکتا نہیں۔ اس کی میعاد ختم ہو چکی ہے۔ بہتر ہے اسے بدل دیں یا پالش کروالیں۔" زوہیب کے مشورے پہ امی کا پارہ آسمان پہ چڑھ جاتا تھا۔

"شاباش بیٹے! تم سے یہی امید تھی۔ بجائے بیوی کو ڈانٹنے اور کھنچائی کرنے کے۔ ماں کا سامان بیچنے کی بات کر رہے ہو۔ آج کل کی اولاد بڑی بے فیض ہے۔ بجائے ماں کی پریشانی سمجھنے کے 'سامان ٹھکانے لگانے کا سوچتے ہو۔ کسی دن پرانی 'بھدی بڈھی ماں کو نہ بدل آنا۔" زوہیب کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ وہ گھبرا اٹھا۔

"اف امی۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔ "میری بات کا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"تو پھر کیا مطلب تھا۔" وہ چمک کر بولیں۔ "یہ نکمی دل لگا کر کام نہیں کرتی۔ نجانے کس کے خیالوں میں رہتی ہے۔" اب کے ان کی آواز کچھ ہلکی تھی۔

"کیا واقعی!" زوہیب کے اندر کا "شوہر" کروٹیں لے کر بیدار ہوا تھا۔ اس کے تیور دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔ امی کو جلدی سے وضاحت کرنا پڑی۔

"ارے میکے والوں کے خیالوں میں رہتی ہے۔ کوئی پوچھتا جو نہیں۔ ڈیڑھ سال سے ادھر ہے۔ ایک رات کے لیے بھی نہیں گئی۔ صرف دو مرتبہ گھڑی بھر کے لیے گئی تھی۔" امی کی تیوری چڑھتی گئی۔ زوہیب بھی تھوڑا ٹھنڈا پڑا۔

"کیا خیال ہے آپ کا؟ اسے یہاں سے فارغ کر دیں؟ آپ بھی ایک صورت دیکھ دیکھ کر بور ہو چکی ہیں۔ اور اب "تبدیلی" کی خواہش مند ہیں۔" کچھ دیر بعد شافیہ کو کچن سے باہر آتے دیکھ کر زوہیب نے کہا تھا۔

شافیہ ان دونوں کو تازہ مینگو شیک دے کر اندر چلی گئی۔۔۔ کچن کی کھڑکی کھلی تھی سو آوازیں با آسانی اندر جا رہی تھیں۔ اور یہ تو ان دونوں ماں بیٹے کا معمول تھا۔ شافیہ پہ گھنٹوں بحث کرتے نہیں تھکتے تھے۔

"نہیں۔" امی نے شیک سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ ان کا انداز خاصا پُرسوچ قسم کا تھا۔

"تو پھر؟" وہ بھی بڑا سنجیدہ نظر آیا۔ گو کہ آنکھوں میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

"میں کہتی ہوں زیبی! اس کو یہیں رہنے دو۔ تم ایک اور لے آؤ۔ اس سے اکیلے پورے گھر کا نظام نہیں چلتا۔ یہ بس کچن تک محدود رہے۔ کم بخت کے ہاتھ میں ذائقہ کمال کا ہے۔ باقی صفائی ستھرائی کے لیے ایک الگ سے ہونی چاہیے۔۔۔" امی کے مشورے پہ زوہیب کو اچھو لگتے لگتے رہ گیا تھا۔

"کیا ایک اور شادی کرلوں؟ فلک سے؟" اس کی بے تابی کے کیا ہی کہنے تھے۔ شافیہ نے مارے اشتعال کے ہانڈی میں زور سے ڈوئی ماری۔ ادھر امی نے چونکنا ہو کر بیٹے کو گھورا تھا۔ فلک کے نام پہ وہ الرٹ ہو گئی تھیں۔

"ہیں۔۔۔ لڑکے؟ تمہارا دماغ ٹھیک ۔۔۔ ہے نا؟" امی نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"بالکل ٹھیک۔" وہ مسکرا کر بولا۔ نگاہیں کچن کی کھڑکی پہ ٹکی تھیں۔ اندر سے جھنجلائی ہوئی شافیہ صاف دکھائی دیتی تھی۔

"پر مجھے نہیں لگتا۔۔۔ علاج کراؤ اس کا میں کام والی کی بات کر رہی ہوں۔ بندوبست کرو کہیں سے۔"

انہوں نے ایک مرتبہ پھر اسے گھورا تو وہ ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گیا تھا۔

"بات تو ایسے کر رہی تھیں جیسے مجھے دوسری شادی کی اجازت دے رہی ہیں... میں کام والی سے تو ہرگز نہیں کروں گا۔ اگر کوئی "نظر" میں ہے تو ٹھیک... اور ویسے بھی فہمینا کی پیدائش کے دوران ڈیڑھ سو میڈ میں نے بھرتی کی تھیں 'جنہیں بغیر جرم کے آپ نے نکال دیا۔ اب میڈ کا خیال بھی دل سے نکال دیں۔ کوئی نہیں ملنے والی۔ البتہ دوسرے آپشن پہ آپ غور کر سکتی ہیں۔ میری دوسری شادی کے ذریعے میڈ کا بندوبست ہو سکتا ہے۔" وہ کچن کی طرف منہ کر کے چلایا تھا تب امی اس کے کندھے پہ دھپ لگا کر بولیں۔

"خبردار 'جو ایسا سوچا بھی..." ان کے انداز میں نمایاں وارننگ تھی۔ لاکھ شافیہ سے عداوت کے باوجود بھی...

"اگر سوچ لوں تو...؟" زوہیب نے انہیں تپایا۔ اور شاید شافیہ کو بھی... اندر سے کچھ ٹوٹنے کی آواز بھی آئی تھی۔

"بہت پٹو گے مجھ سے۔" امی نے خفگی سے کہا تھا۔

"بڑا پیار ہے اس سے؟" وہ رازداری سے بولا۔ جیسے ان کا اندر پڑھنا چاہتا ہو۔

"اونہیں..." انہوں نے سر جھٹکا... "یہ کھانا بہت اچھا بناتی ہے۔ بتانا مت اسے۔" ان کا انداز انتہائی راز دارانہ تھا۔ زوہیب نے لمبا سا قہقہہ لگایا اور شافیہ نے غصے میں ایک کانچ کا گلاس توڑا۔ گو کہ جان بوجھ کر نہیں توڑا تھا پھر بھی "نہیں" یہی لگا۔ امی کی کلبلاہٹ کچن تک آئی تھی۔

"بڑی نکمی ہے یہ... ہاتھوں میں سوراخ ہیں... اٹھارواں گلاس توڑا اس نے۔ کوئی کام سلیقے سے نہیں کرتی۔ ناک تک تنگ آچکی ہوں —— آمنہ نے ہمیں پھنسوایا اور اسے گھر لے آئی۔ ارے او... وہ فلک بھی تو تھی نا... دو سال یہاں رہ کر گئی۔" امی کا واویلا جاری تھا 'جب زوہیب کو بیچ میں ٹکڑا لگانا پڑا۔

"یہاں نہیں 'ہاسٹل میں۔" یہ وضاحت ضروری تھی۔ ورنہ کچن سے ایک اور گلاس ٹوٹنے کی آواز آجاتی۔

"ہاں وہی 'اتوار کے اتوار آتی تو پورا گھر چمکا کے جاتی۔ ایسا قرینہ کہ دل خوش ہو جاتا۔ کیسے کیسے اٹالین کھانے بناتی۔ مزیدار 'کیک' براؤنیز' بسکٹ اور پیسٹریاں بیک کرتی... آمنہ کی آنکھوں پہ تو پٹی بندھی تھی۔ گھر کا ہیرا چھوڑ کر پیتل اٹھا لائی۔" امی کو فلک کیا یاد آئی۔ ان کی آہ و فغاں بھی فلک تک پہنچ گئی۔ فلک کی یاد میں وہ گوڈے گوڈے ڈوب چکی تھیں۔ معاً کچن سے شافیہ نے گردن نکالی۔

"تب سے شوگر لگی ہے آپ کو۔ اب سمجھ میں آیا معاملہ 'جہاں بھر کا میٹھا کھلا کر آپ کو اوپر پہنچانے کا ارادہ ہو گا۔" اس کا لہجہ ہنوز حلیم تھا مگر الفاظ 'امی تو ہل کے رہ گئیں۔

"زوہی... دیکھا تم نے۔" ان پہ زلزلہ طاری ہو گیا۔ "ارے یہ کیا کہہ رہی ہے بھلا فلک کیوں ایسا چاہتی؟ اور اس کی زبان دیکھو۔ اتنی لمبی 'اور آمنہ کہتی تھی 'بڑی کم گو ہے۔ بے زبان گائے... ارے بے زبان ایسے ہوتے ہیں؟"

امی کا مارے صدمے کے برا حال ہو گیا تھا اور شافیہ کا دماغ گھوم گیا۔ اس گھر میں جب جب فلک کا ذکر ہوتا تھا شافیہ کا میٹر اسی طرح گھوم جاتا۔ آخر کب تک وہ فلک نامے کو برداشت کرتی؟ جو بدقسمتی سے زوہیب کی کلاس فیلو اور دوست رہ چکی تھی۔ جو دو سال یہاں قیام فرما کے بھی گئی تھی اور اپنی انمٹ یادیں 'امی اور زوہیب پاس چھوڑ گئی۔ اس کا دل بہت برا ہو رہا تھا۔

"امی! ریلیکس 'اس کو خواہ مخواہ فلک سے دشمنی ہے۔ حالانکہ وہ اتنی سوفٹ تھی۔ آپ کا اتنا خیال رکھتی تھی۔ اسی لیے تو میں چاہتا تھا 'آپ فلک کو اپنی بہو بنالیں... مگر آپ بھی آمنہ آپی کی چکنی چپڑی باتوں میں آگئیں۔ اب نتیجہ 'ہم دونوں معصوم ماں بیٹا بھگت رہے ہیں۔" اس نے معصوم سی شکل بنا کر کچن کی کھڑکی میں دیکھا۔ یقیناً "شافیہ ادھر آنکھیں لگائے کھڑی تھی۔

"میٹھا کھلانے کا الزام فلک پہ رکھ رہی ہے۔ اور دیکھو' مجھے مینگو شیک میں اتنا میٹھا پلا دیا۔ کہا بھی تھا۔ چینی مت ڈالنا۔" اب وہ اپنی بھڑاس نکالنے کے لیے شافیہ پہ غصہ الٹ رہی تھیں۔ شافیہ کو کھڑکی سے گردن نکالنی ہی پڑی۔

"آپ کا شیک 'ودھ آوٹ شوگر تھا امی!" اس نے کلس کر جواب دیا تھا لیکن وہ امی ہی کیا جو تسلیم کر لیتیں۔

رات تک اسی صدمے کے زیر اثر رہیں کہ شافیہ نے ان کو چینی والا شیک پلا دیا ہے۔ وہ ایسی ہی وہمی تھیں۔

فضا میں مجیرے بجنے کا ابھی بھی شور سنائی دے رہا تھا۔

پیتل کی کٹوریوں کو طبلے کے ساتھ 'تال دینے کے واسطے بجایا جا رہا تھا۔ ردھم میں ایک آواز سنائی دیتی تھی۔

طاقچوں میں دیے تھے۔ پر دھواں اڑاتے ہوئے۔ دیوں میں لو نہیں تھی۔ لو نہیں تھی تو روشنی بھی نہیں تھی۔ ہر سو اندھیرا تھا اور گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔



گھڑیال نے رات کے گیارہ بجائے تب کہیں باہر ہلکے سے کھٹکے کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ اپنی گزشتہ زندگی کو سوچنے میں ایسی محو تھی کہ وقت بیتنے کا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

اور اب کھٹکے کی آواز پہ وہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔ تب تک دروازہ کھول کر زوہیب اندر آ گیا تھا۔ شافیہ کو لامحالہ اٹھنا پڑا۔ زوہیب کے ہاتھ سے لیپ ٹاپ بیگ 'موبائل اور چابیاں پکڑ کر ٹیبل پہ رکھیں۔ ــــــــــ اس کے کپڑے بھی گیلے تھے اور بال بھی.... شاید بارش باہر ٹوٹ کے برسی تھی۔

"موبائل چارجنگ پہ لگا دو۔" وہ جوتے اتارنے لگا تو شافیہ نے پہلے موبائل چارجنگ پہ لگایا پھر اسے کپڑے نکال کر دیے تھے۔

جب وہ چینج کر کے آیا تب تک شافیہ کھانا گرم کر کے میز پہ لگا چکی تھی۔

اس نے آگے بڑھ کے کھڑکیاں کھول دیں۔ پردے ہٹا دیے۔ باہر موسم انتہائی خوشگوار تھا۔ آندھی طوفان کے بعد اب ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اک تازگی بھرا احساس کمرے میں گھس رہا تھا۔

"اتنے حبس میں بیٹھی تھیں۔ اتنا نہیں ہو سکا کہ کھڑکیاں کھول لیتیں' طوفان تو کب کا رک چکا ہے۔ بونگی ہو تم۔" اب وہ اس کی نااہلی پہ تبصرہ فرما رہا تھا۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں تھا وہ کچھ کہے بغیر رہ سکتا۔

"آج بہت دیر ہو گئی...." وہ جواب نہ پا کر پھر سے خود ہی بولا تھا۔ شافیہ قریب ہی بیٹھی آنکھیں دبا رہی تھی۔ آج اس کی آنکھوں میں بہت جلن ہو رہی تھی۔ اپنی ہی کالونی میں آئی اسپیشلسٹ موجود تھا مگر زوہیب کو توفیق نہیں ہو رہی تھی اسے چیک کروا لاتا۔ اکیلی وہ کبھی گئی نہیں تھی۔

"بارش میں پھنس گئے تھے۔ اوپر سے ٹریفک جام۔" کھانا کھاتے ہوئے اسے احساس ہوا تھا کہ وہ خود ہی بولے جا رہا ہے۔ اسی لیے لحہ بھر کے لیے چپ ہو گیا۔ پھر اس نے شافیہ کا کندھا ہلایا۔ وہ معمول سے ہٹ کر خاموش تھی۔

"کیا ہوا ہے....؟" وہ فکرمندی سے بولا تھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں چونک کر سر ہلایا۔ وہ مطمئن ہوا یا نہیں' تاہم سوال نہیں کیا تھا۔

کافی دیر بعد اس نے فہنا کا پوچھا۔ اسے فہنا کا خالی کاٹ نظر آیا تھا۔ بیڈ پہ بھی نہیں تھی۔

"فینو کہاں ہے؟"

"امی کے پاس۔"

"انہیں تنگ کرے گی رات کو۔ میں لے آتا ہوں۔" وہ ٹشو سے ہاتھ پونچھتا اٹھنے لگا تھا تب شافیہ نے اسے بے ساختہ روکا۔

"امی نے خود اسے اپنے پاس سلایا ہے۔" شافیہ

نے ٹرے میں برتن رکھتے ہوئے بتایا۔ اس کے دروازے کی طرف بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

"کیوں؟" زوہیب کو اچنبھا ہوا۔

"ان کے خیال میں رات کو بادل گرجتے تو فینا ڈر جاتی۔" شافیہ کو وضاحت کرنا پڑی تھی۔ وہ امی کی منطق پہ چڑ گیا۔ بچی رات کو انہیں تنگ کرتی۔ ان کی نیند پوری نہ ہوتی اور صبح تک ایک نیا محاذ کھل جانا تھا۔

"تو ہم دونوں کہاں ہوتے؟" اس نے چڑ کر پوچھا۔

"ان کے خیال میں ہم اتنے نیند میں دھت ہوں گے کہ ہمیں فینا کے ڈر کر رونے کی آواز نہیں آئے گی۔" شافیہ نے امی کی بات دہرائی تھی۔ زوہیب بری طرح چڑ گیا تھا۔

"یعنی ان کے خیال میں ہم نے کانوں میں روئی ٹھونسی ہو گی۔"

"شاید۔" شافیہ ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔ اس کی واپسی تک وہ ایک راؤنڈ امی کے بیڈ روم کا لگا آیا تھا۔

"وہ دونوں مزے سے سو رہی ہیں۔" اب کے زوہیب کچھ مطمئن ہوا تھا۔

"شکر، آپ کی تسلی ہو گئی۔" شافیہ نے جماہی روک کر لوشن اٹھایا اور چہرے اور ہاتھوں پہ ملنے لگی۔ پھر اس نے اپنے تراشیدہ بالوں میں برش کیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اپنی جگہ پہ آ گئی۔

تب ہی زوہیب نے اس کی طرف کروٹ بدل لی تھی۔ اس کے نتھنوں سے بھینی بھینی خوشبو ٹکرانے لگی۔ زوہیب کا ہاتھ اس کے بالوں میں سرسرایا تو شافیہ نے پلکیں اٹھا کر ترچھی نظر سے اسے دیکھا۔ وہ شافیہ کی طرف ہی متوجہ تھا۔

"لوگ اپنے حسن کو نکھارنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔" وہ خاصی خوش دلی سے مخاطب تھا۔ اس کے سرخ سے گال کچھ اور سرخ ہوئے تھے۔

"کیونکہ ایک ہی تو پلس پوائنٹ ہے، حسن دو آتشہ۔" زوہیب کی آواز گمبھیر ہو گئی تھی۔ ایک ہلکا سا خمار بھرا احساس اس کے اردگرد بکھرنے لگا۔ شاید کوئی خواہش سی جاگی تھی۔

"اور اگر یہ پلس پوائنٹ نہ ہوتا۔۔۔؟" اس کا لہجہ کچھ روکھا سا ہو گیا۔ زوہیب نے خوشبو بھرا احساس اپنے اندر اتارا۔ اس کے ہونٹوں پہ اک دل فریب تبسم بکھر گیا تھا۔

"تو پھر میں ایک اور شادی کھڑکا لیتا۔"

"اب کیا قباحت ہے؟ وہ آپ اب بھی کر سکتے ہیں۔" وہ اس کی پیش قدمی پہ رونکھی ہو کر کسمسائی تھی۔ آج اس کا موڈ سخت آف تھا۔ بجائے اس کی خاموشی اور بیزاری کی وجہ پوچھتا۔ اسے ہری ہری سوجھ رہی تھی۔

"تم اجازت دے رہی ہو۔۔۔؟" زوہیب نے چونک کر پوچھا۔ دوسری شادی کے نام پہ اس کی آنکھوں میں دیپے جل اٹھتے تھے۔ شافیہ اندر تک سلگ گئی تھی۔

"اجازت ہی سمجھ لیں۔" اس کا موڈ بگڑ گیا۔ اور اس نے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔

"آج مزاج اتنا برہم کیوں ہے؟" بالآخر اسے پوچھنے کا خیال آ ہی گیا تھا۔ زوہیب نے زبردستی اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"آنکھوں میں درد ہے زوہیب! سونے دیں۔" وہ جھنجلائی۔

"او۔۔۔ یار! کل چلیں گے ڈاکٹر آدم بیزار کے پاس ہم بھی نا۔۔۔ بہت ست ہو۔ یہ اپنی کالونی میں تو کلینک ہے۔۔۔ کون سا کوہ قاف جانا تھا تمہیں۔ فینا کو ساتھ لے جاتیں۔" زوہیب نے خاصی ناگواری سے اسے سنائی تھیں۔ کیونکہ وہ جانتا تھا شافیہ اکیلی سامنے پارک تک بھی نہیں جاتی تھی۔

"فینا بہت بڑا مرد ہے نا؟" وہ خفگی سے بولی۔

"اچھا بابا۔۔۔ چلیں گے صبح۔ کل میرا ویسے بھی آف ہے۔ اب میرا موڈ خراب نہ کرو۔" اس کی بیزاری زوہیب نے محسوس کر لی تھی۔

"کل کی تاریخ میں آپ نے کیا کیا کام سرانجام دینے ہیں؟" شافیہ کا انداز بھرپور طنزیہ تھا۔ زوہیب نے

بغیر سمجھے کہا۔

"تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے پھر لمبا سا ریسٹ ماروں گا۔ اس پورے ہفتے ذلیل باس نے بڑا ستایا ہے۔"

"ریسٹ کا ٹائم ملے گا۔۔۔؟" اس کے انداز میں کچھ تھا جو وہ چونک گیا۔

"کیوں نہیں ملے گا۔۔۔"

"آپی کے بچے آرہے ہیں۔" شافیہ کو بتانا ہی پڑا تھا۔ وہ بے ساختہ خوش ہو گیا۔

"کیا واقعی؟ ہما اور زبیر۔"

"ہوں۔" اس نے ہنکارا بھرا تھا۔

"کب آئیں گے؟"

"صبح تک۔۔۔ نہیں 'شاید شام تک۔" وہ بہت الجھی الجھی لگ رہی تھی۔ زوہیب نے سر ہلا دیا۔

"شام کی فلائٹ سے آئیں گے۔ میں انہیں پک کر لوں گا۔" وہ اپنی ٹائمنگ کا حساب لگانے لگا تھا۔

"اور صبح بھی کسی کو پک کرنا ہے۔" شافیہ کے اگلے الفاظ اسے کچھ حیران کر گئے تھے۔ وہ تھوڑی گردن اچکا کر بولا۔

"کسے؟"

"فلک کو۔" اس نے یوں فلک کا نام لیا جیسے دانتوں تلے چبا ڈالے گی اور زوہیب اتنا حیران ہوا کہ کچھ بولنا ہی بھول گیا تھا۔ کافی دیر تک دونوں کے درمیان معنی خیز خاموشی چھائی رہی تھی۔ پھر وہ اس کا کندھا ہلا کر اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔

"فلک یہاں آرہی ہے؟" اس کو اپنا ہی لہجہ اجنبی لگا تھا۔

"آپ تو ایسے ری ایکٹ کر رہے ہیں جیسے جانتے ہی نہیں۔" شافیہ کا انداز بڑا کٹیلا تھا۔ وہ فلک کے آنے کا سن کر اتنا حیران تھا کہ اس کے لہجے کے روکھے پن اور بیزاریت کو سمجھ نہیں پایا تھا۔

"میرا کون سا اس کے ساتھ کانٹیکٹ ہے جو جان جاتا۔" وہ جزبز سا ہو کر رہ گیا تھا۔ شافیہ نے اسے ایسی نگاہ سے دیکھا تھا جیسے یقین نہ آیا ہو۔

"کیا شادی کے بعد پہلے تمام رابطے ختم ہو گئے؟"

اس کا انداز کاٹ دار ہوتا گیا تھا۔ اب کے زوہیب کے ماتھے پہ بھی بل پڑ گئے تھے۔ وہ کہنی پہ دباؤ ڈال کر تھوڑا اونچا ہوا۔ اب اس کا چہرہ واضح تھا۔ لیکن وہ گردن موڑ گئی تھی۔

"اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" اس نے شافیہ کے بازو پہ دباؤ ڈال کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"مطلب مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔ یعنی ساری چڑچڑاہٹ کی کڑیاں فلک کی آمد سے ملتی تھیں۔

"تو کس سے پوچھوں؟" زوہیب کا موڈ آف ہو گیا۔

"کل صبح اسٹاپ سے لے کر آنا ہے اسے۔" اس نے چبا چبا کر یاد دہانی کروائی تھی۔

"کیا وہ یہاں ٹھہرے گی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی زوہیب کو پوچھنا پڑا تھا۔ شافیہ کا رواں رواں سلگ اٹھا۔

"وہ تو شاید نہ ٹھہرتی۔۔۔ آپ کی امی نے بہت مجبور کیا ہے۔"

"ہاں' آپی نے اگر کہا ہے پھر تو امی کچھ نہیں کہیں گی۔۔۔" زوہیب نے سر ہلایا۔

"آپ کی امی ویسے بھی کچھ نہیں کہیں گی۔ بڑی فیورٹ پرسنالٹی ہے ان کی۔" اس کا لہجہ کٹیلا تھا۔

"سو تو ہے۔" زوہیب کا دھیان کہیں اور تھا۔ شاید فلک کی طرف۔ وہ جل کر آنکھیں بند کر کے سوتی بن گئی تھی۔ دماغ ابھی تک فلک میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ یہاں آرہی تھی۔ جاب کے بہانے یا تجدید تعلقات کرنے؟

کچھ دیر بعد زوہیب نے پھر سے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

"شافی! سو گئی ہو کیا؟" اس کی آواز پہ اور ہلانے پہ بھی شافیہ نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ وہ غصے میں کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔



بڑا ہی حبس بھرا دن تھا۔
صبح نو کی ساری خوشگواریت چلچلاتی دھوپ نے نوچ لی تھی۔ فضا میں گھٹن، لو اور تپش کی انتہا تھی۔ پسینے سے برا حال تھا۔ اوپر سے کھچا کھچ انسانوں سے بھری ویگن...... اندر کی فضا میں کھٹے پسینے کی باس رچی تھی۔

وہ ناک دبا کر بیٹھی تھی پھر بھی ابکائیاں آ رہی تھیں۔ کہاں اس کی نفیس طبیعت اور کہاں ویگن کا گھٹا گھٹا ماحول...... اس کا خوب صورت اسٹائلش سوٹ سلوٹ سلوٹ ہو رہا تھا۔

صبح تو موسم بڑا حسین تھا۔ فجر کے بعد جب وہ اپنی تیاری کر رہی تھی، تب اماں اور چھوٹے بہن بھائی کا دل برا ہو رہا تھا گو کہ دونوں اس کے سوتیلے بہن بھائی تھے، مگر اس سے بہت پیار کرتے تھے۔

"باجی! اب آؤ گی؟" وہ دونوں کئی دفعہ پوچھ چکے تھے۔ ہر بار باجی پھاڑ کھانے کو دوڑتی تھی۔

"اس جہنم سے ابھی تو جا رہی ہوں۔ واپسی کا سوال مت کرو۔ دو ماہ سے پہلے نہیں آؤں گی۔"

وہ اپنا اسٹائلش بیگ بھر کے صحن میں آئی اور رسٹ واچ سے وقت دیکھا۔ ویگن آنے میں ابھی پندرہ منٹ تھے۔ یہ واحد ویگن تھی جو اس کے گاؤں سے ہو کر شہر جاتی تھی۔ اس پہ بے زاریت سوار ہو گئی۔

"پتر! اپنا گھر جہنم نہیں ہوتا۔" اماں جو فٹافٹ اس کے لیے دیسی گھی کے پراٹھے تل رہی تھیں ٹوکے بنا نہ رہ سکیں۔ گو کہ اماں اس کی سوتیلی تھیں مگر ان کے تعلقات کبھی بھی روایتی نہیں رہے تھے۔ جس میں بڑا ہاتھ اماں کا تھا اور یہ اماں ہی تھیں جنہوں نے فلک کے تنک مزاج کے ساتھ نباہ کیا تھا اور اگر فلک سمجھتی تو یہ اماں کا بڑا احسان تھا اس پہ...... جو انہوں نے اسے اتنے بڑے شہر کی بڑی انجینئرنگ یونی ورسٹی میں اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی۔ ورنہ ابا تو دسویں کے بعد آگے پڑھائی کے حق میں نہیں تھے۔

اماں نے ہی ابا کو مجبور کیا تھا کہ فلک نے دسویں میں ٹاپ کیا ہے اسے آگے بھی پڑھانا چاہیے۔

دوران تعلیم جتنا بھی اس کا ذاتی خرچا ہوتا تھا وہ اماں ہی چپکے چپکے بھجواتی تھیں۔ جس میں سے کچھ پیسہ وہ اپنی شاپنگ پہ خرچ کرتی اور کچھ پارلروں میں جھونک آتی۔

وہ شروع سے ہی اپنے دیہاتی ماحول میں مس فٹ تھی۔ اور کچھ اسے لگتا تھا وہ اپنے رشتے داروں سے بہت پیچھے ہیں۔ اس بات کا احساس اسے تب تب ہوتا تھا جب جب اس کے کرنل چاچا کا گاؤں میں چکر لگتا۔ ان کی آمد پر یہ احساس بہت بڑھ جاتا تھا۔ ان کی پڑھی لکھی اسٹائلش بیوی۔ خوب صورت بچے۔

تب اس کا دل کرتا تھا وہ بھی اس ماحول سے نکل کر ایک اچھا معیار زندگی اپنائے۔ اور اس کے لیے تعلیم بہت ضروری تھی۔ اس نے ایک طویل عرصہ محنت اور ان تھک محنت میں گزارا تھا۔ رات دن کا فرق بھلا کر اپنے تعلیمی معیار کو بلند کیا تھا۔ اسی لیے اسے ایک بڑے شہر کی بڑی یونی ورسٹی میں داخلہ مل گیا تھا۔

تب اماں نے اس سے پوچھے بغیر چاچی کو فون کر دیا۔ چاچی کا میکہ اسی شہر میں تھا۔ اماں کی خواہش تھی وہ چاچی کے میکے میں قیام کرتی...... تاکہ انہیں اس کی رہائش اور کھانے پینے کی فکر نہ ہوتی، لیکن یہاں بھی اس کی ہٹ دھرمی نے اماں کی ایک نہ چلنے دی تھی۔ حالانکہ چاچی نے بخوشی اسے اپنی امی کے گھر رہنے کی آفر کی تھی مگر فلک کو کسی کا احسان گوارا نہیں تھا۔ اس نے ہاسٹل میں قیام کو ترجیح دی۔ اور یہ پہلا فیصلہ تھا جو بہت غلط ثابت ہوا تھا۔

ابتدا میں ہی فلک کو پتا چل گیا تھا کہ چاچی کا بھائی اس کے ساتھ پڑھتا ہے۔ زوہیب اس کا کلاس فیلو تھا۔ وہ ذہین تھا مگر فلک کی ٹکر کا ہرگز نہیں تھا۔ وہ اچھے نمبروں سے پاس ہونے والا تھا۔ فلک کی طرح ٹاپر ہرگز نہیں تھا۔

آغاز میں ہی فلک کا طوطی پوری یونی ورسٹی میں بولنے لگا تھا۔ وہ دنوں میں ہی مقبول ہو گئی تھی۔ اور اسی

طرح دنوں میں ہی زوہیب کے ساتھ اس کی دوستی پروان چڑھ گئی تھی۔ وہ عموماً" اکٹھے ہی نظر آتے تھے۔ کلاس میں بھی اور کلاس سے باہر بھی۔۔۔ پھر اکثر وہ ویک اینڈ پہ زوہیب کے گھر بھی جانے لگی۔

وہ ذہین تھی اور اس نے بڑی ذہانت کے ساتھ زوہیب کی امی کے دل میں گھر کر لیا تھا۔

زوہیب کا چھوٹا سا صاف ستھرا خوب صورت گھر اس کے خوابوں میں بستا تھا۔ اس کی نفیس سی انتہائی صفائی پسند امی جو پورا وقت گھر چمکانے میں لگی رہتی تھیں۔

وہ ان کے گھر جاتی تو غیر محسوس انداز میں۔۔ کئی کام کر دیتی تھی۔ اسے بہت اچھی سلائی آتی تھی۔ وہ اس کی امی اور آپی کے کپڑے سلائی کرتی۔ ہما کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ ڈیزائننگ کرتی۔ اچھی سے اچھی کوکنگ کرتی تھی۔ زوہیب کی امی اسے بہت چاہنے لگی تھیں۔ اس کی آپی بھی فلک کو بہت پسند کرتی تھیں۔

ہر چھٹیاں وہ اپنے چاچا کے گھر گزارتی تھی تب زوہیب بھی آجاتا تھا۔ فلک کو اندازہ تھا۔ زوہیب اسے پسند کرتا ہے۔

زوہیب کے ساتھ گزرا ایک ایک پل اسے یاد تھا۔

زوہیب کی برتھ ڈے والی شام بڑی سہانی شام تھی۔ اس روز فلک نے خود کو پور پور سجایا تھا۔ بہت ہی کم عرصے میں اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ زوہیب کی امی کو اپ ٹو ڈیٹ رہنے والے لوگ بڑے پسند ہیں۔ خود زوہیب کی دودھیا شرٹس پہ ایک شکن نہیں ہوتی تھی۔ وہ خود بھی بہت سج سنور کے رہتا تھا۔ بڑے اہتمام سے تیار ہو کر یونی ورسٹی آتا تھا۔ ایک دن فلک کے پوچھنے پہ اس نے بتایا۔

"یار! میری آنسہ امی جان کو "ان دھلے" میلے کچیلے لوگ پسند نہیں۔ وہ کچن میں بھی "تیار" ہو کر جاتی ہیں۔"

اور زوہیب کی یہ بات سو فیصد درست تھی۔ جب وہ زوہیب کے گھر پہنچی تب آنٹی کچن میں تھیں۔ انہوں نے خوب صورت سوٹ پہن رکھا تھا۔ بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا۔ ہلکا سا میک اپ وہ بڑی فریش لگ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئیں۔

"ماشاءاللہ بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

انہوں نے ناقدانہ انداز میں اس کا جائزہ لیا تھا۔ وہ اسٹائلش سوٹ میں بالوں کی اونچی پونی کے ساتھ بہت پُرکشش لگ رہی تھی۔۔۔ اوپر سے اندازِ گفتگو کمال کا تھا۔ اس کی ذہانت سے بھرپور باتیں مقابل کا دل موہ لیتی تھیں۔ اس نے آنٹی کی بنائی کڑاہی کو ڈش آؤٹ کیا، ٹیبل لگائی، اپنے ہاتھ سے بیک کیا کیک رکھا اور آنٹی کے کہنے پر زوہیب کو بلانے اس کے کمرے میں آگئی تھی۔ ایسی بے تکلفی ان دونوں کے درمیان پل کی طرح موجود تھی۔ برتھ ڈے بوائے ابھی تک نیند میں دھت تھا۔ اس کے جگانے پہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

"اف' ناگہانی آفت! یہ تم ہو۔" اس نے بمشکل اپنی مندی مندی آنکھیں کھولی تھیں۔ پھر اس پہ نظر پڑی تو مسکرا دیا اور آنکھوں میں ستائش بھی اتر آئی تھی۔ چہرے پہ روشنی سی پھیل گئی تھی۔

"برتھ ڈے میری ہے اور تیاری لوگوں کی دیکھو۔" زوہیب کی آنکھوں میں اُتری ستائش دیکھ کر فلک اِترانے لگی تھی۔

"اتنا اچھا خواب دیکھ رہا تھا۔ تم نے جگا دیا۔" وہ منہ بناتا ہوا اٹھ گیا۔

"کیسا خواب؟۔۔۔" فلک کی مسکراتی آنکھیں اور مسکرائیں۔۔۔ زوہیب کی آنکھوں نے اس کی تعریف مکمل کر دی تھی۔

"اپنی شادی کا۔ ابھی دلہن کا گھونگھٹ اٹھ ہی رہا تھا جب تم نے خوفناک انٹری ماری۔" وہ واش روم سے منہ دھو کر آیا اور جلدی جلدی بال بنانے لگا تھا۔ پھر اس نے خود پر پرفیوم چھڑکا۔

"کیسی دلہن تھی تمہاری۔" فلک کی دلچسپی بڑھ گئی تھی۔

"بہت ہی سفید۔۔۔" اس نے آنکھیں میچ کر سوچتے ہوئے بتایا۔

"کیا؟" فلک کی بے ساختہ چیخ بلند ہوئی تھی۔

زوہیب مصنوعی سہم کر دور ہٹا۔

"بہت سفید؟ یعنی کہ...؟" فلک کی گھوریوں پہ زوہیب نے بمشکل اپنی ہنسی کو روکا تھا۔

"یعنی کہ وہ تم نہیں تھیں۔" اس کا منہ لٹک گیا تھا۔ اب کے فلک کا قہقہہ بلند ہوا۔

"تم دل پہ مت لو' خواب بس خواب ہوتے ہیں۔" فلک نے اسے تسلی دی تھی۔

"لیکن مجھے اتنی سفید دلہن نہیں چاہیے۔" وہ بچوں کی طرح بسور کر بولا تھا۔ فلک نے اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔ وہ اس کی بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی۔ اس لیے کہ فلک کی رنگت سفید نہیں تھی۔

"پھر کیسی چاہیے...؟" اس نے بڑے اعتماد سے پوچھا تھا۔ جیسے وہ زوہیب کا جواب پہلے سے جانتی ہو۔

"تمہارے جیسی نمکین' سلونی کالی کالی سی۔" آخری الفاظ اسے چڑانے کے لیے کہے گئے تھے۔ فلک نے بے تکلفی سے اس کے کندھے پہ دھپ ماری تھی۔ اس کے من میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ چہرہ گلابی ہو گیا تھا۔

"بہت کمینے ہو تم۔" اس نے دانت پیسے... یہ مصنوعی غصہ تھا جسے زوہیب بھی سمجھتا تھا۔

"لڑکی! میرا ادب کرنا سیکھو۔" زوہیب نے رعب سے کہا تھا۔ وہ آئینے میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"وجہ!" وہ تنک کر مسکرائی تھی گو کہ وجہ وہ جانتی تھی لیکن زوہیب کے منہ سے اگلوانا چاہتی تھی۔

"کیونکہ فیوچر میں آسانی رہے گی۔" زوہیب بھی بات کو گول مول کر گیا تھا۔

"کیسی آسانی؟" فلک بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔

"وہ کبھی بعد میں بتاؤں گا۔" وہ مزے سے ٹال گیا تھا۔ شاید وہ قبل از وقت کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا۔

پھر اس شام انہوں نے خوب ہی انجوائے کیا۔

زوہیب کے گھر میں کتنا سکون تھا۔ ٹھنڈا پرسکون چھوٹا سا گھر۔ ایک اس کا اپنا گھر تھا... اتنا بڑا احاطہ' ایک کونے میں بندھے ڈھور ڈنگر... کچے پکے تین کمرے۔ کھلے کواڑ اور پورے صحن میں چکراتی دھوپ... گرمیوں میں گھر ایسے لگتا جیسے تندور ہے۔

اس کا بس چلتا تو وہ ہمیشہ کے لیے ـــــ اسی گھر میں ٹھہر جاتی... کبھی واپس جاتی ہی نا۔ زوہیب کی امی کے ساتھ اس کی کیمسٹری مل گئی تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ اس کی امی کا مزاج سمجھ گئی تھی۔ جہاں تک زوہیب کا تعلق تھا تو گو کہ اس نے کبھی منہ سے اقرار نہیں کیا تھا لیکن فلک جانتی تھی کہ زوہیب اسے پسند کرتا ہے۔ اور عنقریب اسے پرپوز کر دے گا۔ فلک کو پورا یقین تھا۔

فائنل میں ٹاپ کرنے کے بعد فلک کی مقبولیت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ زوہیب اس کے متاثرین میں شامل تھا۔ وہ اس کی شخصیت سے زیادہ اس کی قابلیت کا مداح لگتا تھا۔ اس کی ذہانت کا دل دادہ تھا۔ وہ فلک کو اپنا ایک اعزاز سمجھتا تھا۔ اس کے برابر چلنا زوہیب کے لیے قابل فخر بات تھی۔

فلک کی زوہیب سے بے تکلفی کسی کو بھی ان کے تعلق کی نوعیت سمجھا سکتی تھی۔ اور بہت سے لوگ ہوائیاں بھی اڑانے لگے تھے۔ فائنل میں ٹاپ کرنے کی خوشی میں فلک نے "فورک اینڈ نائف" میں زوہیب کو ڈنر آفر کیا تھا۔

اس دن فلک کو امید تھی' زوہیب اسے کچھ نہ کچھ ضرور کہے گا۔ کم از کم فیوچر کے متعلق۔ اس سے اگلے دن فلک کی واپسی تھی۔ وہ چاہتی تھی زوہیب اسے کوئی امید کا سرا تھما دے۔ تاکہ اس کا اگلا سفر آسان ہو۔

"فورک اینڈ نائف" کے پرسکون ماحول میں پڑا سے لطف اٹھاتے ہوئے فلک بہت بے چین تھی۔ اور زوہیب بھی اتنا ہی الجھا الجھا پریشان لگ رہا تھا۔ فلک چاہتی تھی وہ خود اپنی الجھن کو ڈسکس کرے' لیکن زوہیب کے ایسے کوئی ارادے نہیں لگتے تھے۔ اس کی الجھن کیا فلک سے تعلق رکھتی تھی؟ اس کا اضطراب زوہیب کی خاموشی سے بڑھ رہا تھا۔ تنگ آکر فلک نے ایک موضوع گفتگو چنا اور خود ہی بولنے لگی۔ اس سے اچھا زوہیب کو متوجہ کرنے کے لیے ٹاپک نہیں تھا۔

"زوہیب! میرے ایک دو پرپوزل آئے ہیں۔ اماں اور ابا شاید چاچا کو بلوا کر فائنل کر دیں۔ میں ابھی جاب کرنا چاہتی تھی مگر...."

فلک انتہائی غم زدہ سی انگلیاں مسلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس نے کمال ذہانت سے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ اسے ہر طریقے سے گفتگو کو موڑنا آتا تھا۔ زوہیب کو چونکانا آتا تھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ کرنا آتا تھا۔ زوہیب کے چہرے پہ واضح پریشانی دکھائی دینے لگی تھی۔ فلک کے دل میں اک گونہ سکون اُترا تھا۔ کم از کم زوہیب کو اس کی پروا تو تھی۔ پسندیدگی اور چاہت کے سفر میں وہ اکیلی تو نہیں تھی۔ زوہیب اس کے ہمراہ تھا۔ وہ تنہا نہیں تھی۔

"اتنی جلدی؟" زوہیب نے متفکر انداز میں کہا۔ اس کی ساری بے نیازی ہوا ہو چکی تھی۔ وہ سخت بے چین ہوا تھا۔

"جلدی کہاں! ابا کے نزدیک تو بہت دیر ہو چکی ہے۔" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بتا رہی تھی۔ زوہیب کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ جانے وہ اتنا متفکر اور مضطرب کیوں تھا؟ اور پتا نہیں اس نے اپنے گھر میں فلک کے حوالے سے بات کی بھی یا نہیں؟

"اور تمہارا کیا خیال ہے؟" زوہیب عجیب انداز میں بولا۔ فلک کے لیے یہ بات اچنبھے کا باعث تھی۔ کیا وہ اس کا خیال نہیں جانتا تھا؟

"میرا خیال....؟" وہ چونکی' زوہیب آخر کیا جاننا چاہتا تھا کیا اس کے منہ سے اقرار سننا چاہتا تھا!"

"تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو؟" زوہیب نے قدرے بے قراری سے کہا تھا۔

"تمہارے بارے میں کیا سوچنا ہے....؟" فلک نے گہرے لہجے میں بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"میں تو تمہیں سوچتی ہوں۔" اگلے الفاظ اس نے دل میں کہے تھے۔ وہ بھی زوہیب کے سامنے خود کو ہلکا نہیں کرنے والی تھی۔

"میرا مطلب ہے....؟" وہ شاید کنفیوژن کا شکار ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے بات کرے۔ کس انداز میں دل کی بات کہے۔ فلک کے سامنے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیسے کرے۔ گو کہ وہ بہت منہ پھٹ تھا مگر سامنے بھی تو فلک تھی۔

"تم بس مطلب میں ہی الجھتے رہنا.... صاف بات نہیں کر سکتے تم۔" اس نے چڑ کر جتلایا تھا۔

"فلک! تم مجھے پسند کرتی ہو؟" زوہیب نے بالآخر کہا بھی تو کیا۔ فلک کا دل چاہا اپنا سر پھاڑ لے۔ وہ خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگی۔ بجائے یہ کہنے کہ وہ فلک کو پسند کرتا ہے۔ اس سے شادی کا خواہش مند ہے۔ الٹی بات ہی کہہ رہا تھا۔

"تمہیں ناپسند کرنے والی کیا بات ہے۔" فلک نے دانت پیس لیے تھے۔ وہ جانتی تھی زوہیب ڈفر ہرگز نہیں ہے۔

"یعنی میں تمہیں اچھا لگتا ہوں؟" اب کے وہ ذرا اعتماد سے مسکرایا تھا۔

"اور میں تمہیں کیسی لگتی ہوں۔" اس نے انتہائی جھلاہٹ کو چھپا کر بمشکل پوچھا۔

"بہت اچھی...." اس نے بہت جذب سے سچ بتایا تھا۔ فلک اعتماد سے مسکرا دی تھی۔ جیسے اسے زوہیب سے یہی توقع تھی۔ یعنی اتنی سی بات کے لیے زوہیب نے دماغ بلپلا کر کے رکھ دیا تھا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی زوہیب ایسے ہی زچ کر کے رکھ دیتا ہے۔

"تو پھر...." فلک نے معنی خیزی سے کہا۔ وہ کہنی ٹیبل پہ ٹکا کر مٹھی پہ ٹھوڑی رکھے' دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"پھر یہ کہ میں اپنی امی اور آپی کو تمہاری گھر بھیجتا ہوں۔" اتنے لمبے چکرا دینے والے مباحثے کے بعد اس نے یہی تو کہنا تھا۔ اس نے بالآخر فلک کو مژدہ جاں فزا سنا ہی دیا تھا۔ فلک پہلی مرتبہ اندر تک کھل کر مسکرائی تھی۔

اس کے برسوں سے دیکھے خوابوں کی تکمیل کا وقت قریب آ رہا تھا۔

ایک خوب صورت زندگی اس کی منتظر تھی۔ وہ دیہات کے ہر پس منظر کو اپنی زندگی کے کونوں سے بھی

نوچ کھسوٹ کر اتار چکی تھی۔

* * *

زوہیب نے اسی رات اپنی امی کو حال دل سنا کر فلک کے لیے رضامند کر لیا تھا۔

اس کی امی کو فلک پسند تھی۔ نکھری اجلی' اپنے آپ کو ہر وقت سنوارنے والی۔ حاضر دماغ' ہنس مکھ' مزاجاً" کھلی کھلی۔ امی نے آمنہ آپی سے بات بھی کر لی تھی۔ بظاہر تو کوئی رکاوٹ نہیں تھی' لیکن آمنہ کچھ متذبذب تھی۔ تاہم اس نے ہامی ضرور بھرلی۔ زوہیب کی خوشی بہرحال ان کے لیے مقدم تھی۔

زوہیب نے اسی رات فلک کو کال کر کے خوشخبری سنادی۔

"امی اور آپی نے تمہارے گھر آنے کا پروگرام بنالیا ہے۔" زوہیب کی خوشی لفظوں میں بیان ہونے سے قاصر لگ رہی تھی۔ فلک اس کی اولین تمنا تھی۔۔۔ ایک پُراعتماد' اعلیٰ تعلیم یافتہ' انتہائی ذہین ہم سفر۔

پوری یونی ورسٹی کے کریم اسٹوڈنٹس فلک کے نام کا دم بھرتے تھے۔ اس نے بڑے بڑے سورماؤں پہ زوہیب کو فوقیت دے کر اس کے دل میں اپنا اونچا مقام بنالیا تھا۔ ورنہ فلک کو رشتوں کی کیا کمی تھی ــــــــ

اور کیا رشتوں کی زوہیب کو کمی تھی؟

یہ اس نے سوچا ہی نہیں۔ اسے لگتا تھا اگر فلک اسے نہ ملی تو شاید اسے کوئی فلک جیسی لڑکی ملے ہی نا۔ فلک بھی بار بار اسے جتائے بغیر نہیں رہتی تھی۔

"میرے لیے بہت پرپوزلز آرہے تھے۔ لیکن میں نے کسی انجان بندے کو اپنے لیے منتخب نہیں کرنا تھا۔"

تب زوہیب فلک کا بہت ہی شکر گزار نظر آتا کہ اس نے اتنے لوگوں پہ اسے ترجیح دی ہے۔

پھر جس دن امی نے جانے کا پروگرام بنایا اسی دن امی کا ایکسیڈنٹ میں گھٹنا فریکچر ہو گیا۔ پہلے ہسپتالوں کے چکر' پھر امی کا آپریشن ۔۔۔ اور بعد میں تھراپی کے لمبے لمبے سیشن کیا شروع ہوئے' زوہیب

گھن چکر بن گیا تھا۔ امی ہسپتال سے گھر آئیں تو لمبے بیڈ ریسٹ پہ تھیں۔

آمنہ اور زوہیب بوکھلا گئے تھے۔ فلک کے گھر جانے کا پروگرام کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ امی کے لیے کسی کل وقتی ملازمہ کا ہونا ضروری تھا۔ آمنہ اسی بھاگ دوڑ میں لگی تھی۔۔۔ لیکن اس کی امی کے ساتھ کسی ملازمہ کا ٹک کر رہنا محال تھا۔ امی نے دو مہینے کے اندر اندر کئی ملازمائیں فارغ کر دی تھیں۔۔۔ اور خود ابھی وہ دوسروں کی محتاج تھیں۔ تب آمنہ نے سوچ سمجھ کر' ہر ایک نکتے پہ غور کرنے کے بعد زوہیب کی شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

امی سے ذکر کیا تو وہ فلک کے لیے بے تاب ہو گئیں کیونکہ وہ جانتی تھیں زوہیب فلک کو پسند کرتا ہے۔

تب آمنہ نے رسانیت سے انہیں سمجھایا۔ وہ بڑی سمجھ دار تھی۔ بہت دور اندیش تھی۔

"امی! فلک زوہیب کے لیے اچھی بیوی ضرور ثابت ہو گی لیکن وہ آپ کو سنبھال نہیں سکتی۔ میں جانتی ہوں۔ مجھے اس گھر کو سنوارنے کے لیے ایک گرہستن لڑکی کی تلاش ہے۔"

"مگر زوہیب تو فلک کو۔" امی نے کچھ کہنا چاہا۔ وہ جتنی بھی تیز مزاج تھیں۔ آمنہ کے سامنے مدھم پڑ جاتی تھیں۔

"پسند کرتا ہے نا۔۔۔ پسند تو کسی کو بھی کیا جا سکتا ہے۔ پسند بدلی بھی جا سکتی ہے۔" آمنہ نے اپنی بات پہ زور دے کر کہا تھا۔ امی لمحہ بھر کے لیے چپ ہو گئیں۔ لیکن اندر سے وہ بجھ رہی تھیں۔ زوہیب کی خوشی اور چاہت ان کے لیے بہت اہم تھی۔

"زوہیب کی خوشی تو پوری نہیں ہو گی۔" ان کے دل میں فلک کے لیے قلق ہو رہا تھا۔ تب آمنہ کو پوری گہرائی سے سمجھانا پڑا۔

"امی! فلک نے اتنی محنت کر کے پروفیشنل ڈگری لی ہے۔ اس کے انکل بھی ہرگز نہیں چاہیں گے کہ وہ اپنی تعلیم کو زنگ لگائے۔ ابھی بھی وہ جاب کر رہی ہے۔ شادی کے بعد بھی وہ جاب کرے گی۔ جاب اور گھر کو

مین ٹین رکھنا اس کے لیے بہت مشکل ہو گا۔ پھر وہ یہاں مس فٹ رہے گی۔ آپ کے اور اس کے درمیان کلیش ہوں گے۔ اگر ہلکی سی دراڑ بھی آئی تو میرا اس کی فیملی سے حساس رشتہ بنتا ہے۔ لازماً ہمارے گھر کا بھی ماحول خراب ہو گا۔" آمنہ کی دور اندیشی نے امی کو قائل تو کر لیا تھا لیکن فلک ان کے دل سے نکلی نہیں تھی اور شاید ان کے بیٹے کے دل سے بھی۔

پھر آمنہ اپنی تمام کوششیں بروئے کار لا کر بالآخر شافیہ کو بیاہ لائی تھی۔ شافیہ کی موہنی صورت بھی امی کے دل سے ملال نہ نکال سکی۔

وہ اور زوہیب فلک کی یاد میں آہیں بھرتے تو شافیہ کا دل جل جل کر خاک ہو جاتا تھا۔

کچھ عرصہ تک وہ امی کے بتائے ڈھب پہ چلتی رہی۔ خود کو دن میں تین تین مرتبہ سنوار کر۔ فیننا کے بعد اس کی روٹین کیا بدلی تھی امی کا دل اس سے اور بھی کھٹا ہو گیا۔ تب انہیں فلک اپنی "ڈریسنگ" کے ساتھ اور بھی یاد آتی تھی اور اب وہی فلک ایک مرتبہ پھر ان کی زندگیوں میں واپس آ رہی تھی اور شافیہ کو اپنی ناؤ کے پتوار ڈولتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔



کھچا کھچ بھری ویگن میں سورج کے اونچا ہوتے ہی حبس بڑھتا جا رہا تھا۔ ہر چھوٹے اسٹاپ پہ ویگن رکتی تو ہجوم بیکراں اندر گھسنے کے لیے بے تاب نظر آتا۔

گرمی سے روتے چلاتے بچے، عورتوں کی چیخ و پکار اور جھاڑ کنڈیکٹروں کی دہائیاں۔۔۔ اور گندی مندی اشیا بیچنے والوں کا بینڈ۔ سر میں ایک لامتناہی شور ٹیسوں کی صورت میں اٹھ رہا تھا۔

اس کا بس چلتا تو بھری ویگن سے چھلانگ لگا کر نیچے اتر جاتی۔ لیکن کچھ خواہشیں پوری نہیں ہوتیں۔

جیسے زوہیب اسے نہیں ملا۔ ہاں، اس کی شادی کا کارڈ ضرور ملا تھا۔ اس کے کرنل چاچا دے کر گئے تھے۔ اپنے سالے کی شادی کا انوی ٹیشن۔

تب فلک کی کیا کیفیت ہوئی تھی؟ اس پہ کیسا صدمہ گزرا تھا؟ وہ کس حد تک خوف کو محسوس کرتی تھی؟ اس نے کتنا ماتم کیا تھا؟ کتنے بین ڈالے تھے؟ کیسی کیسی آہ و فغاں کی تھی؟" بظاہر کچھ بھی نہیں۔

وہ ویک اینڈ پہ گھر آئی تو پرچھتی پہ سنہرا کارڈ رکھا تھا۔ اس نے کچھ تجسس کے عالم میں اٹھایا اور دھک سے رہ گئی۔ یہ زوہیب کی شادی کا کارڈ تھا۔ اماں نے اسے کارڈ اٹھاتے دیکھا اور خود ہی بتانے لگیں۔

"آمنہ کے بھائی کی شادی کا کارڈ ہے۔ ادھر شہر میں ہی رشتہ کر لیا۔ میں نے کہا بھی تھا۔ اپنے بھائی کے لیے ہماری فلک کو نظر میں رکھے۔ بس پتر! قسمت کی بات ہے۔ جس کی جہاں لکھی۔"

اماں تندور پہ روٹیاں لگانے چلی گئی تھیں۔ فلک نے کارڈ نہ پھاڑا نہ پھینکا۔ بس وہیں پر چھتی پہ سجا دیا تھا۔ وہ نہ روئی تھی، نہ چلائی تھی، نہ جاہلوں کی طرح واویلا کیا تھا۔ بس خاموشی سے ہر چیز کو برداشت کر لیا۔

اس نے خود کو جاب میں مصروف کر لیا تھا اور اندر ہی اندر اپنے ٹرانسفر کے لیے کوششیں کرنے لگی۔ اسے ایک مرتبہ پھر اسی بے درد کے شہر میں جانا تھا۔ اس نے آمنے سامنے بات کرنا تھی؟ اپنے مسترد کیے جانے کا استفسار کرنا تھا؟ اپنی توہین کا بدلہ لینا تھا؟ بغیر کچھ کہے اس کے ہٹ جانے پہ باز پرس کرنا تھی؟

کیا انتقام لینا تھا؟

شاید ہرگز نہیں۔

وہ تو صرف اسے سزا دینا چاہتی تھی۔ اور کیا یہ غلط تھا!

معاً" چلچلاتی دھوپ پہ اچانک حنائی رنگ آنے لگا تھا۔ دھوپ میں پہلے تو گیروا رنگ گھلا تھا۔ پھر مہندی سی رنگت بھری تھی اور بعد میں زردی مائل سرخی سی ہر سو چھانے لگی۔ پھر مغرب کی طرف سے سرمئی غبار اڑ رہا تھا۔ شاید آندھی کے آثار تھے۔ یا برکھا برسنے والی تھی۔

بادلوں کے چھاتے ہی گرمی کا زور ذرا کم پڑا تھا۔ ہوا میں گھٹن بھی ہلکی ہوئی تھی۔ اس نے سیٹ کی پشت

سے ٹیک لگائی تو یادوں کا سلسلہ وہیں سے چل پڑا جب زوہیب کی اگلی سالگرہ کی شام فلک نے اس کے کچن میں گھس کر پورا مینیو تیار کیا تھا۔

چاکلیٹ کیک بھی خود بیک کیا اور ڈیٹ ڈیلائٹ کے ساتھ پیازی بریانی بنائی۔ جب وہ سب کچھ تیار کر چکی تب آنٹی نے اس کی جی بھر کے تعریف کی۔

"کب وہ مبارک دن آئے گا جب میں تمہیں ہمیشہ اس گھر میں چلتا پھرتا دیکھوں گی۔"

فلک ان کی بات کے مفہوم پہ شرمائی نہیں تھی بلکہ اعتماد سے مسکرادی تھی۔ تاہم اندر سے وہ بہت خوش ہوئی۔ اس گھر میں آنا اس کا خواب تھا۔ چاچی کی فیملی اس کی آئیڈیل فیملی تھی۔ چھوٹا سا مختصر گھرانہ.... صرف زوہیب اور اس کی امی.... اور مائیں بے چاری کب تک ہوتی ہیں؟

آمنہ بھی اپنے گھر بار والی تھی.... یہاں پہ وہ اور صرف زوہیب۔ تب زندگی کے کتنے نرالے رنگ نکھرتے؟ وہ ان لمحات کی خوشبو سے مہک جاتی تھی۔

تب ہی زوہیب کا اکلوتا دوست ڈاکٹر آدم بیزار بھی آ گیا تھا۔ نام تو اس کا آدم ہی تھا۔ لیکن بیزار کا لاحقہ زوہیب نے لگا رکھا تھا۔ وہ اس کا کالونی فیلو بھی تھا۔

آدم کے والدین حیات نہیں تھے۔ کوئی بہن بھائی اور رشتے دار بھی نہیں تھا۔ بس زوہیب کی فیملی سے اس کے تعلقات تھے۔ ویسے بھی ڈاکٹر آدم بیزار لوگوں کے ہجوم سے زیادہ تر بیزار ہی رہتا تھا۔ وہ تنہائی پسند تھا، یا پھر زوہیب کی کمپنی میں رہتا۔

کالونی کی ابتدا میں کارنر والی کوٹھی آدم بیزار کی تھی۔ کلینک بھی کوٹھی میں بنا رکھا تھا۔

اس وقت زوہیب اپنے کمرے میں تھا۔ اسی لیے فلک کو کمپنی دینے آنا پڑا۔ آنٹی نماز ادا کرنے چلی گئی تھیں۔ گفتگو کے دوران اسے اندازہ ہوا تھا ڈاکٹر آدم اتنا بھی بیزار نہیں۔ وہ خاصا نفیس آدمی تھا۔ اچھی گفتگو کرتا تھا تاہم کم بولتا۔

"آگے آپ کے کیا ارادے ہیں؟" آدم نے گفتگو کو آگے بڑھایا۔

"اپنی فیلڈ میں ہی جاب کروں گی۔"

اور اس کے علاوہ....؟" اس نے مزید پوچھا۔

"اس کے علاوہ کیا؟" پہلی مرتبہ فلک کچھ کنفیوزڈ ہوئی تھی۔

"آئی مین شادی وغیرہ؟" آدم کی بے تکلفی اور خوش اخلاقی کے کیا ہی کہنے تھے۔ اس وقت وہ کہیں سے بھی آدم بیزار نہیں لگ رہا تھا۔

"ابھی سوچا نہیں۔" فلک خاصی جزبز ہو رہی تھی۔ اس زوہیب کا بھی سنگھار" اپنی اماں کی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا۔ جانے کہاں رہ گیا ہے۔ سنبھالے اپنے آدم بیزار دوست کو۔ جو کہیں سے بھی بیزار نہیں لگتا۔ وہ دل ہی دل میں کلستی بظاہر مسکرا رہی تھی۔

"تو کب سوچیں گی؟" آدم نے بھی مسکرا کر استفسار کیا۔

"ابھی کچھ پتا نہیں۔"

"اوکے، جب بھی شادی کے بارے میں سوچنے کا ارادہ کیا، تو مجھ سے ضرور رابطہ کیجیے گا۔" آدم نے بڑے اخلاق سے اپنا کارڈ فلک کو پکڑایا تو لامحالہ اسے کارڈ پکڑنا پڑا۔ تب ہی بن ٹھن کے زوہیب بھی آگیا۔

"ابے! تو نے شادی دفتر کھولا ہے؟ اندر ہی اندر!" اس نے آتے ہی ڈینٹ سے ڈاکٹر کے کندھے پہ دھپ لگائی تھی۔

"بڑے بد اخلاق ہو۔" وہ اپنا کندھا مسلتا رہ گیا۔ فلک، زوہیب کو دیکھ کر کچن دیکھنے کے بہانے اٹھ گئی تھی۔

آدم کے ساتھ بھی ڈھیر سارے المیے جڑے تھے۔ اس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی۔ نہ جانے کیا وجہ تھی کہ کہیں بات نہ بن پاتی تھی۔ یوں اس کی نیا ابھی بیچ منجدھار میں ڈول رہی تھی۔ زوہیب کی امی ہی آدم کے لیے اچھے رشتے کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔

فلک کو اندازہ ہو چکا تھا کہ ڈاکٹر آدم اس کے لیے

پسندیدگی کے جذبات رکھتا ہے' لیکن اس کی سرد مہری کے باعث وہ خود بخود پیچھے ہٹ گیا تھا۔

وہ زوہیب کے لیے سنجیدہ تھی اور اسی کو سوچتی تھی۔ لیکن اس کی تمام سوچیں' خیال' خواب ٹوٹ گئے تھے۔ جب اسے زوہیب کی شادی کا اچانک کارڈ دکھائی دیا تھا۔

کوئی حرف معذرت' تھوڑی سی ندامت' ہلکا سا ملال.... ؟ لیکن یہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔

اس کی امید' آس' تمنا' خواب توڑ کر وہ کس قدر آسانی سے اپنا گھر بسا رہا تھا۔ اسے ایک مرتبہ بھی فلک کا خیال نہیں آیا؟ اسے ذرا بھی احساس نہیں ہوا؟

تو پھر وہ ذرا سی سزا کا حق دار تو تھا' نا؟

ذرا سا بدلہ لینا تو بنتا تھا۔



رات بھر آندھی کے بعد صبح مطلع تو صاف تھا تاہم پورا گھر گرد آلود ہو چکا تھا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تب سوا نو بج رہے تھے۔ زوہیب ابھی تک سو رہا تھا۔ وہ "آنا" فانا" باہر آئی تو امی بھی جاگی ہوئی تھیں۔ فبنا کارپٹ پہ کھیل رہی تھی۔ اس کا فیڈر نیچے پڑا تھا۔ جبکہ امی کا منہ خاصا سوجا ہوا تھا۔

جب وہ فبنا کو لے کر اندر گئی تھی تب زوہیب اٹھ چکا تھا مگر اس کا منہ بھی پھولا ہوا تھا۔ شاید رات کی باتوں سے۔

"اٹھ چکے ہیں تو منہ ہاتھ دھو کر مارکیٹ سے ہو آئیں۔ لنچ ٹائم تک آپ کے مہمان بھی تشریف لے آئیں گے۔ مجھے ابھی صفائی بھی کرنی ہے۔" زوہیب جو مکمل اسے نظر انداز کیے ٹی وی کا ریموٹ ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کی بات پہ گردن موڑ کر دیکھنے لگا۔

"جاتا ہوں۔" زوہیب بے زاری سے بولا تھا۔

"واپسی پہ اسٹاپ تک بھی جانا ہے؟"

"مجھے کیا پتا' امی سے پوچھ لیں۔" اس کا موڈ بھی آف تھا۔ زوہیب باہر جاتے جاتے رک گیا۔

"تم رات سے مرچیں کیوں چبا رہی ہو؟" وہ ایسے رک کر پوچھ رہا تھا جیسے بڑی ضروری بات کرنا تھی۔

"کیونکہ مجھے مرچیں پسند ہیں۔" شافیہ نے دوبدو جواب دیا تھا۔

"میرے ساتھ اتنا روڈلی بی ہیو کرنے کا مقصد؟ رات کو بھی کروٹ بدل کر سو گئی تھیں۔" وہ اپنا اصل غصہ اگل رہا تھا۔ شافیہ نے بمشکل خود پہ قابو رکھا۔

"آپ جا رہے ہیں مارکیٹ یا نہیں؟" وہ بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔ کیونکہ اسے کاموں کا انبار دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دیر تک فلک بھی آجاتی۔ شام کو آمنہ کے بچے بھی۔ مصروفیات بھی بڑھ جاتیں اور کام بھی کیونکہ آمنہ کے بچے بہت خوش خوراک تھے۔

زوہیب باہر نکل گیا تو شافیہ بھی اس کے پیچھے آگئی۔ امی کو زوہیب کی صورت کیا نظر آئی تھی' وہ ایک دم فارم میں آگئیں۔

"یہ وقت ہے اٹھنے کا؟ رات کو ہل جوتے تھے کیا؟ بچی میرے پاس تھی۔ حد ہے بھئی۔" ان کا نزلہ اصل میں شافیہ پہ گر رہا تھا۔ وہ زوہیب کی آڑ میں شافیہ کو سنا رہی تھیں جو اس کے پیچھے ہی باہر نکل آئی تھی۔

"رات بھر لڑتے رہے؟" ان کا انداز بدل گیا تھا۔ شافیہ پہ آیا غصہ خود بخود سمٹ گیا۔ زوہیب ہمدردی لینے کے چکر میں ماں کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

"پوچھیں اس سے' میرا جینا محال کر رکھا ہے۔ ہر وقت لڑتی ہے مجھ سے۔" زوہیب کے اتنے بڑے جھوٹ پہ شافیہ کا دماغ تپ گیا تھا۔

"کیوں لڑتی ہو شافیہ! میرے بچے کو تنگ کر رکھا ہے۔ اتنی سی صورت نکل آئی ہے' بے چارے کی۔" امی نے شافیہ کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"آپ کے بچے کی صورت آج کے بعد ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ کچن میں جاتے ہوئے چیخی تھی۔ زوہیب اس کا طنز صاف سمجھ گیا تھا۔ وہ فلک کے حوالے سے طعنہ مار رہی تھیں اور فلک کی آمد سے ہی بگڑ بھی رہی تھی۔

"امی! مجھ پہ طنز کرتی ہے۔" وہ جان بوجھ کر بسورا تھا۔

"کیوں ....؟" امی کچھ حیران ہوئیں۔
"فلک کے حوالے سے۔" زوہیب ان کے کان میں گھسا تھا۔ امی ہکابکا رہ گئیں۔
"ابھی تو وہ بے چاری آئی بھی نہیں .... اس نے بیر بھی باندھ لیا۔" فلک کے لیے وہ آج بھی خاصی حساس تھیں۔
شافیہ کا دماغ تپ گیا تھا۔ زوہیب کان دبا کر باہر نکل گیا۔
پھر جب مارکیٹ سے فارغ ہوا تو بس اسٹاپ کی طرف چلا آیا تھا۔ فلک کی ویگن جلدی آگئی تھی۔ اور فلک، زوہیب کو دیکھ کر اتنی حیران ہوئی کہ لمحہ بھر کے لیے بھونچکی رہ گئی تھی۔
وہ اسے لینے کے لیے آیا تھا؟ کیا اس کی بیوی نے اسے بھیج دیا؟ کس قدر حیرانی اور تعجب کی بات تھی۔
پھر زوہیب کے انداز بھی پرانے تھے۔ وہ تو ذرا بھی نہیں بدلا تھا۔ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ پہلے والا انٹ کھٹ، خوش مزاج حاضر جواب .... فلک تو سوچ رہی تھی۔ شادی کے بعد وہ کس قدر اجنبی ہو گا۔ بدل چکا ہو گا۔
بس اسٹاپ سے لے کر گھر جانے تک، وہ فلک سے ایسے باتیں کرتا رہا تھا جیسے بیچ میں ڈیڑھ سال آیا ہی نہیں تھا۔ ویسی ہی بے تکلفی، ویسی ہی گفتگو، حاضر جوابی برجستگی، ہنسی، مذاق۔
فلک جو سوچ رہی تھی جانے زوہیب کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کتنا عرصہ لگے۔ دوبارہ سے اپنے مدار میں لانے کے لیے کتنا وقت درکار ہو، حیران رہ گئی تھی۔ زوہیب اس کے دائرے اور مدار سے نکلا ہی نہیں تھا۔
ایک ایک پرانی بات دہراتا۔ یونی ورسٹی کے قصوں سے گرد جھاڑتا .... وہ بالکل پرانا زوہیب تھا۔ جس کے ہاتھ سے کون، چھین کر فلک بڑی بے تکلفی سے کھالیا کرتی تھی۔ اور وہ اس کے پاپ کارن چرا لیا کرتا تھا۔
فلک بھی اجنبیت بھرا وہ احساس، جو اپنے گاؤں سے لے کر ویگن پہ سوار ہوئی تھی، اسی ویگن اسٹاپ پہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی۔
زوہیب تو زوہیب آنٹی نے بھی اس کا والہانہ استقبال کیا تھا۔ وہ ابھی تک وہیل چیئر پہ تھیں۔ پھر بھی دروازے تک آئی تھیں، اسے خوش آمدید کہنے۔
ایک تو آمنہ کی سسرالی عزیزہ ہونے کی وجہ سے اسے ہمیشہ خاص پروٹوکول ملتا تھا اور دوسرے زوہیب کی دوست ہونے کے علاوہ وہ آنٹی کی پسندیدہ شخصیت تھی۔
"تمہاری بیوی کہاں ہے؟" فلک کو خود ہی پوچھنا پڑا۔ وہ جو لاؤنج کے صوفے پہ ڈھیر ہو رہا تھا۔ مسکرا کر بولا۔
"یہیں کہیں جل رہی ہو گی۔" زوہیب اپنے ازلی خوش مزاج، منہ پھٹ انداز میں بول رہا تھا۔
"کیا واقعی؟" فلک کو بڑا ہی مزہ آیا۔ وہ جو ذہن میں عجیب عجیب سی سچویشن بنا کر آئی تھی کہ کس طرح سے زوہیب اور اس کی بیوی کے رویوں کو برداشت کرے گی۔ ان کی محبت بھرے جذباتی سین آنکھوں سے دیکھنا اور برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔ یہاں آکر اسے قطعاً "مختلف" ماحول ملا تھا۔
اس نے سن رکھا تھا زوہیب کی بیوی بڑی خوب صورت ہے اور اپنے ہی ذہن سے اندازہ لگایا تھا کہ خوب صورت بیوی کو پا کر زوہیب اسے تو بھول چکا ہو گا۔ اس کے نخرے اٹھاتا ہو گا۔ ناز سہتا ہو گا۔ لاڈ کرتا ہو گا۔ مگر اس کے سارے اندازے غلط ثابت ہو گئے تھے۔
زوہیب کی اپنی بیوی کے ساتھ بنتی ہی نہیں تھی۔ ہر وقت ان کی چونچیں لڑتی رہتیں۔ زوہیب اپنی بیوی کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ اسے دوبدو جواب دیتا۔ طعنے مارتا۔ طنز کرتا اور پھر مزے سے انجوائے کرتا تھا۔ جب اس نے پہلی مرتبہ شافیہ کو دیکھا تب وہ اندر ہی اندر اس سے متاثر ضرور ہوئی تھی۔ خوب صورتی کسے متاثر نہیں کرتی؟ فلک کو بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ شافیہ کم از کم ایک چیز میں اس

سے بہت آگے ہے۔ باقی کسی بھی معاملے میں شافیہ اس کی ٹکر اور مقابلے کی نہیں تھی۔

"قابلیت، تعلیم اور ذہانت۔" ان تین چیزوں میں شافیہ فلک کے قطعی طور پر ہم پلہ نہیں تھی۔

اگر فلک اپنی ذہانت کو بروئے کار لاتی تو وہ شافیہ کو پچھاڑ سکتی تھی۔ کم از کم زوہیب کو اپنی طرف ملتفت کر کے اپنا بدلہ تو لے سکتی تھی۔ بغیر قصور کے مسترد کرنے اور ٹھکرانے کا بدلہ۔

اگر شافیہ بیچ میں نہ آتی تو زوہیب فلک کا ہوتا۔ اور شافیہ کیوں آئی تھی؟ فلک نے اس بات پہ کبھی غور و فکر نہیں کیا تھا۔ ذہین لوگ اتنی چھوٹی باتوں پہ ذہن لڑا کر اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔

اس کی جاب بھی زوہیب کی کمپنی میں تھی۔ ان کا شعبہ بھی ایک تھا۔ وہ دونوں اکٹھے آفس جاتے تھے، اکٹھے واپس آتے تھے۔

زوہیب نے بخوشی اس کی ــــــ ذمہ داری ـــ اٹھالی تھی۔ وہ آفس کی طرف سے پک کرنے والی وین کو جواب دے چکا تھا۔

"جب گاڑی ہے تو وین کی ضرورت نہیں۔ تم پر فرض ہے سیلری بچانا۔ کنوینس الاؤنس اس طرح بچ جائے گا تمہارا... آخر تمہیں یہاں آنے کا کچھ تو بینی فٹ ملے۔" جب وہ مسکرا مسکرا کر اپنی طرف سے مخلصانہ مشورے پیش کر رہا تھا تب شافیہ بڑے ضبط کے ساتھ اس کی گفتگو کو سن رہی تھی۔

فلک نے اک نظر مصروف سی شافیہ کو دیکھا اور مسکرا کر مشورہ قبول کر لیا۔

"تھینک یو ویری مچ زوہیب! ہمیشہ کی طرح تمہیں آج بھی 'میرا خیال' ہے۔" فلک نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا تھا تاکہ شافیہ تک بخوبی آواز پہنچ سکے۔

زوہیب نے اس کی بات کا برجستہ جواب دیا۔

"منہ دھو رکھو' پرانے احسان اتار رہا ہوں۔"

"مطلب...؟" فلک نے آنکھیں پھیلالی تھیں۔

اندر سے وہ خاصی گڑبڑا گئی تھی۔ یہ زوہیب بھی نا؟

"مطلب یہ کہ یونی میں تمہارے اچھے نوٹس میری کامیابی کی ضمانت ہوتے تھے۔" اس نے مسکرا کر فلک کو کریڈیٹ دیا تو شافیہ کے سامنے اس کی گردن کچھ اور تن گئی تھی۔

"تو تم تسلیم کرتے ہو۔ یونی میں میری ٹکر کا کوئی نہیں تھا۔" وہ جیسے ہوائیں اڑنے لگی تھی۔

"کیوں نہیں... میں تھا نا۔" زوہیب نے شرارتاً کہا تھا۔ فلک نے مترنم سا قہقہہ لگایا۔

"ہاں... تم تو تھے نا... اور تم ہو نا۔"

"کوئی شک ہے کیا؟" زوہیب بھی اترایا۔

شافیہ سے مزید اٹھکھیلیاں برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ پھر بھی وہ ضبط کرتی رہی۔ اسے زوہیب کی عادت کا بھی پتا تھا۔ وہ اپنی چونچالی سے باز نہیں آتا تھا۔ پھر یہ تو اس کی سابقہ یا موجودہ دوست تھی۔ سو اس کے ساتھ بے تکلفی اور بر جستگی کے مظاہرے عام سی بات تھی۔

لیکن یہ مظاہرے وقت گزرنے کے ساتھ بہت بڑھتے جارہے تھے یہاں تک کہ...

اسی شام آمنہ کے بچے بھی کراچی سے آگئے تھے۔

بچوں کی آمد کے ساتھ ہی شافیہ کی مصروفیات کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا۔ آمنہ کے بچے بہت نخریلے تھے۔ چونکہ شافیہ عادی تھی اس لیے... اتنا مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن فلک اور زوہیب کی بے تکلفی اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

فلک کو دیکھ کر شافیہ کو بے انتہا مایوسی ہوئی تھی۔ وہ ایسی نہیں تھی جس کے فراق میں زوہیب گریبان پھاڑ کر جنگلوں میں نکل جاتا۔

مجموعی طور پر فلک کا پہلا تاثر بس یہی تھا۔

لیکن کہتے ہیں نا... دل آئے گدھی پر تو؟ بس زوہیب کا یہی معاملہ تھا۔ اپنی پری تو اس گدھی کے سامنے نظر ہی نہیں آتی تھی۔

پھر آمنہ کے بچوں کی وہ گدھی مطلب فلک آپا ہوا کرتی تھی۔ وہ بھی اسے خاص پروٹوکول دیتے تھے جس

کا مطلب تھا وہ بچوں کے بابا یعنی اپنے چاچا کی خاصی لاڈلی اور منہ چڑھی بھتیجی تھی۔

ان دنوں زوہیب بچوں اور ان کی آپا کو گھمانے پھرانے کی مہم پہ نکلا ہوا تھا۔ اکثر امی شافیہ کو بھی زبردستی ساتھ بھیج دیتی تھیں۔ عموماً" شافیہ انکار کردیتی' کیونکہ بچے باہر کے کھانے وغیرہ کے عادی نہیں تھے۔ وہ آؤٹنگ پہ جانے سے پہلے اعلان کر کے جاتے تھے۔

"کھانا تو بس مامی کے ہاتھ کا۔ اتنا کمال کا بناتی ہیں۔"

یوں شافیہ کا آدھا دن صفائی میں اور آدھا دن پکانے میں گزر جاتا تھا۔ ان دنوں وہ خود سے بھی لاپروا ہو گئی تھی اور امی اس سے بیزار۔

"تین تین دن کپڑے نہیں بدلتیں فلک کو دیکھا ہے؟ دن میں چار' چار جوڑے بدلتی ہے۔" وہ اسے آتے جاتے سناتی تھیں۔

"فلک کو اور کوئی کام نہیں۔ بن ٹھن کر دفتر جاتی ہے۔ بنی ٹھنی واپس آتی ہے۔ کھانا تیار ملتا ہے۔ کپڑے دھلے ہوئے استری شدہ کہ مہمانوں سے کام کا رواج نہیں یہاں پہ' سو وہ سارا دن بیر بہوٹی بنی رہے تو اس کے کیا کہنے؟" وہ زیر لب بڑبڑاتی تھی۔

"شافیہ! مرد کو لاپروا بیوی پسند نہیں ہوتی۔ یہ جو زیبی تمہارا دم بھرتا تھا' نا..... تمہارے بجنے سنورنے کی وجہ سے۔ پورا دن عورت کولہو کے بیل کی مانند جتی رہتی ہے۔ لیکن مرد کو اپنی بیوی فریش اور ہشاش بشاش چاہیے۔ تم خود پہ توجہ نہیں دے رہیں۔" ان کا بس نہیں چلتا تھا۔ خود اٹھ کر اسے دلہن بنا ڈالیں۔ وہ تو چاہتی ہی یہی تھیں۔ گھر صاف ستھرا ہو۔ بچے تیار' کھانا لذیذ اور وقت پہ مہیا ہو۔ کپڑے دھلے' استری شدہ الماری میں نظر آئیں اور بہوئیں لگے جیسے ابھی ابھی پارلر سے لشکارے مارتی آرہی ہے۔

یعنی بہو نہ ہوتی..... کوئی بجلی کا بٹن ہوگئی' یا افسانوی ہیروئن۔ جو پلک جھپکنے میں پہاڑ بھی توڑ لائے۔

"زوہیب کو مجھے دیکھنے کا آج کل وقت نہیں مل رہا امی! وہ بڑے مصروف ہیں۔ جس دن انہیں ٹائم ملا۔ تیار ہو جاؤں گی۔" وہ شدید بیزاری سے بولی تھی۔ امی کا پارہ چڑھ گیا۔ وہ بات کو اپنے ہی پیرائے میں لیتی تھیں۔

"بچے سال بعد آئے ہیں۔ کیا ان کا اکلوتا ماما ان کو گھمائے پھرائے بھی' نا؟" وہ سخت برا مان گئی تھیں۔ شافیہ نے اپنا ماتھا پیٹا۔

"بچوں کی بات کون کرر رہا ہے امی! میں تو بچوں کی آپا کا ذکر کر رہی تھی۔"

"آمنہ کی سسرالی عزیزہ ہے۔ اس کے شوہر نے بار بار کہا تھا۔ فلک کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس کی بھتیجی ہے۔ بیٹی کا سسرالی معاملہ ہے..... اس نزاکت کو تو سمجھنا ہے نا۔" انہوں نے اسے جتلایا تھا۔

آمنہ آپی کا لحاظ ہی تو آڑے آجاتا تھا۔ کچھ شافیہ میں مروت بھی بہت تھی۔ پھر مہمان کی تکریم کا بھی احساس تھا۔ اس کی رہائش کا بندوبست ہو جاتا۔ آخر پہلے بھی تو ہاسٹل میں رہتی تھی۔

بچوں کے آنے تک کھانا تیار ہو چکا تھا۔ ہما آج زبردستی فینا کو بھی باہر لے گئی تھی۔ سو شافیہ نے بھی کھانا بنا کر خود پہ توجہ دینے کا سوچ لیا۔

اپنا امبرائڈڈ کاٹن کا سوٹ پہن کر اس نے خود کو خوشبو میں مہکایا۔ لائٹ سا میک اپ کیا اور باہر آگئی۔ امی بچوں کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ لاؤنج کا دروازہ کھلا تھا۔ ان کی نظریں گیٹ پہ ٹکی تھیں۔ باہر خاصی رات پھیل چکی تھی۔

شافیہ باہر آئی تو ڈھیروں خوشبو بھی ساتھ لائی۔ امی نے چونک کر گردن گھمائی تھی۔ پھر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"ایک بات ہے شانی! تم سعادت مند بہت ہو۔ فوراً" عمل کرتی ہو۔" ان کا چہرہ کھل سا اٹھا تھا۔ "ایسے ہی رہا کرو۔ مہکتی' کھلتی گلاب سی۔" انہوں نے جیسے اس کی نظروں ہی نظروں میں بلائیں لے ڈالی تھیں۔

"بس آپ کو اچھی لگتی ہوں۔" اس نے آہ بھر کر کہا تو امی چونک گئیں۔

"تو اور کسے اچھی لگنا چاہتی ہو؟"

"آپ کے بیٹے کو۔" وہ اپنے ہی دھیان میں تھی۔

اس لیے روانی میں کہہ گئی۔ امی نے چونک کر اسے دیکھا تھا پھر مسکرا دیں۔

"اچھی کیوں نہیں لگتیں اسے ۔۔۔ اسے پیاری ہو تب ہی اس گھر میں دکھائی دے رہی ہو۔" انہوں نے ملائمت سے اسے سمجھایا تھا۔

"رہنے دیں امی! مجبوری بھی کوئی بلا ہوتی ہے۔" وہ چڑ کر گویا ہوئی تھی۔ امی اس کی بات پہ ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

معاً گیٹ پہ ہارن سنائی دیا تھا۔ شافیہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔ جب وہ گیٹ بند کر کے اندر آئی تب تک سب لوگ گاڑی سے نکل کر اندر جا چکے تھے۔

بچے اسے دیکھ کر چلا اٹھے تھے۔

"مامی! آپ کہیں جا رہی ہیں؟" بچوں کا ماما بھی ٹھٹک گیا تھا اور آپا بھی.... سب کی نظریں خود پہ جمی پا کر وہ جھنجلا گئی تھی۔

"میں نے کہاں جانا ہے؟ تم لوگوں کے لیے تیار ہوئی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا۔ تم لوگوں پہ خاص زور دیا گیا تھا۔ زوہیب ننھی فینا کو گدگداتا اس کے قریب آیا۔

"اتنے دن سے میلی کچیلی گھومنے کے بعد بالآخر تمہیں ان "بچہ لوگوں" کی خاطر سنورنے کا خیال آ ہی گیا۔ اس بات پہ بچوں تالیاں ہو جائیں۔" زوہیب نے بچوں کو جوش دلایا تو انہوں نے تالیاں بجائی تھیں۔ زوہیب فینا کو اس کی گود میں ڈال کر پیچھے ہٹا۔

"کیا خیال ہے بچو! میں بھی نہ میلا کچیلا رہنا شروع کر دوں؟ پھر جب اتنے دن بعد اچھا سا تیار ہوں گا تو میرے لیے بھی تالیاں بجیں گی؟" وہ صاف شافیہ کو تپاتا امی کے قریب جا بیٹھا تھا۔ تب امی نے اسے دھپ لگائی تھی۔

"بے شرم! کبھی تو اس کی تعریف کر دیا کرو۔ ہر وقت فضول مذاق کرتے رہتے ہو۔"

"دیکھ لیں امی! کر دوں سب کے سامنے تعریف! پھر نہ کہیے گا۔ زوہیب! تو بڑا بے شرم اور بے حیا ہے۔ معصوم بچوں کا بھی خیال نہیں مہمان کا بھی خیال نہیں۔" وہ ٹھنک کر گویا ہوا تھا۔ امی نے اسے ایک اور دھپ لگائی تھی۔

"تو واقعی بڑا بے شرم ہے۔" امی نے ہنس کر کہا تھا۔ زوہیب نے گم صم کھڑی شافیہ کو مخاطب کیا۔ جو جانے کن سوچوں میں محو تھی اور جانے کون سے مسئلے حل کرنے کا سوچ رہی تھی۔

"یہ غور و فکر بعد میں فرما لیناعلامہ صاحبہ! بچوں نے اسنیکس اور جوس کے علاوہ کچھ نہیں کھایا پیا۔ کھانا لگا دو ہم دونوں بھی ان کے ساتھ "فاقہ" فرما کے آ رہے ہیں۔"

زوہیب کے جتانے پر شافیہ چونک کے کچن میں چلی گئی تھی۔ بچوں کے ساتھ ساتھ فلک کی واضح بھی تھی اسے آخری حد تک تپا چکی تھی۔



گھڑیال نے رات کے گیارہ بجائے تو اس نے وہ ہما اور زبیر کو دودھ کا گلاس دے کر معمول کے مطابق امی کو دوا کھلائی اُن کی ٹانگوں کی مالش کی۔ انہیں دودھ کا گلاس دیا اور جب تک وہ اونگھ نہیں گئی تھیں تب تک شافیہ ان کی ٹانگیں دباتی رہی تھی۔ یہ اس کا پہلے دن سے معمول تھا۔ چاہے جتنی بھی تھکی ہوتی، جس قدر نیند آ رہی ہوتی وہ سب کام پس پشت ڈال کر امی کی ٹانگوں کی مالش کیا کرتی تھی۔ اس نے اپنی اماں تو دیکھی نہیں تھی ۔۔۔ ان کو اپنی ماں سمجھ کر خدمت کرتی تھی۔ یہ کام وہ نہ دکھاوے کے لیے کرتی تھی۔ نہ زوہیب اور آمنہ کی خاطر۔ امی کی خدمت سے اسے سکون ملتا تھا۔

اور اب وہ کچن سمیٹ کر لائٹس آف کرتی اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ فلک کا کمرہ بھی پیچھے تھا۔ اور کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ شاید اپنا دفتری کام کر رہی تھی۔

شافیہ سر جھٹک کر اندر آئی تو کمرہ بھاں بھاں کر رہا تھا۔ اس وقت وہ کہاں تھا؟ فینا کاٹ میں سو رہی تھی۔ وہ الٹے قدموں باہر آ گئی تھی۔ پھر اس نے لب بھینچ

کر فلک کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ آخری کونے میں سٹنگ روم تھا۔ وہاں سے آوازیں آرہی تھیں۔ سامنے ہی فلک اور زوہیب بیٹھے دکھائی دیے تھے۔ وہ دونوں کسی دفتری بات میں الجھے تھے اور ڈھیروں کاغذ پھیلا کر کام میں مصروف تھے۔

وہ الٹے قدموں سلگتی ہوئی باہر آگئی۔ کافی دیر ٹہل ٹہل کر اپنا غصہ کم کرنے کے بعد جیسے ہی وہ اپنے کمرے میں آئی تو سامنے ہی زوہیب بیڈ پہ لیٹا دکھائی دیا تھا۔

شافیہ لب بھینچ کر بیڈ کی دوسری طرف آگئی تھی۔ جب وہ لیٹ چکی تب زوہیب نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"کہاں تھیں تم....؟"

"جہنم میں۔" جواب خاصا تپتا ہوا ملا تھا۔ زوہیب کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

"پھر جنت میں انٹری کیوں ماری؟" بڑی معصومیت سے سوال کیا گیا تھا۔

"میری مرضی۔" اس نے دھیمے سلگتے لہجے میں جواب دیا تھا۔ زوہیب کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ چونکہ اس کی نیند کا وقت نکل چکا تھا اس لیے وہ جاگنے کے موڈ میں تھا۔ شافیہ نے جب اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تب اس نے بے ساختہ اس کا کندھا ہلایا تھا۔

"شافی! سنو تو۔"

"کیا ہے؟" وہ جھنجلائی تھی۔ زوہیب اس کے کان پہ جھک آیا۔

"ایک بات بتانی تھی تمہیں...."

وہ ایک مرتبہ پھر اس کا کندھا ہلا رہا تھا۔ اور شافیہ کا پارہ چڑھ رہا تھا۔ ایک تو اس بے مروت کی خاطر اتنی تیاری کی تھی۔ اوپر سے اس نے اتنی باتیں سنائیں، خوامخواہ فلک کے سامنے خفت اٹھانا پڑی تھی۔

"کون سی بات۔" وہ منہ ہی منہ میں بدبدائی تھی۔

"ایسے تھوڑی بتاؤں گا.... ذرا ادھر منہ کرو۔" اس نے کندھا ہلا کر اس کی کروٹ بدلی تو شافیہ نے اپنے منہ پر کشن رکھ لیا تھا۔

"بتادیں بس.... مجھے نیند آرہی ہے۔" شافیہ نے جھلا کر کہا تھا۔ اس کی "نیند" کا سن کر زوہیب تپ اٹھا تھا۔

"اللہ کرے ہمیشہ کی نیند سو جاؤ تم۔ سارا موڈ غارت کردیتی ہو۔"

شافیہ اس "بددعا" پہ تڑپ اٹھی تھی۔ ساری جھوٹی نیند ہوا ہو چکی تھی۔ اس کا صدمے کے مارے برا حال ہو گیا تھا۔

"آپ تو چاہتے ہی یہ ہیں۔ میں مرجاؤں اور آپ اپنی پسند کی دوسری لے آئیں۔" وہ صدمے کے زیر اثر بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ زوہیب نے ترچھی نظر سے اسے گھورا تھا۔

"دوسری لانے کے لیے تمہارا مرنا شرط نہیں ہے۔"

"یعنی کہ....؟" شافیہ کا دل صدمے سے چور ہو گیا۔

"یعنی کہ.... میں تم پہ سوکن بھی لا سکتا ہوں۔" اس نے سینہ ٹھونک کر کہا تھا۔ یعنی نوبت یہاں تک آنے والی تھی؟ اس کی ناک تلے کون سا کھیل چل رہا تھا؟

"مجھے آپ کے کرتوتوں سے یہی نظر آرہا تھا۔" وہ رو پڑی تھی۔ زوہیب کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ وہ ایک دم اور بھی تپا تھا۔

"احمق، بدھو، جاہل، ان پڑھ.... کند ذہن عورت! کبھی تو بات سمجھ لیا کرو۔"

"میں سب سمجھتی ہوں۔ اتنی بھی کند ذہن نہیں۔"

"اور ایسی تو پ بھی نہیں ہو...." زوہیب نے طنزیہ کہا۔

"توپ تو بس ایک ہی ہے۔ ذہانت اور قابلیت کا مجسمہ۔" اس نے دھیمی سلگتی آواز میں اندر کی کھولن نکالی تھی۔ زوہیب خفگی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"وہاں تک مت جایا کرو شافیہ۔" وہ ڈپٹ کر بولا

تھا۔ اس کا لہجہ بھی دھیما ہو گیا تھا۔ اس نے کراؤن سے دوبارہ ٹیک لگالی تھی۔ اب کے موڈ تھوڑا تبدیل شدہ تھا۔ وہ شافیہ پہ غور و فکر فرما رہا تھا۔

"ویسے ایک بات بتانی تھی تمہیں.... اب موڈ خراب کر دیا ہے.... بس اتنا بتادو اگر لوگوں کے لیے اتنا بیر بہوٹی بنی تھیں تو اب تک لباس فاخرہ بدلا کیوں نہیں۔" وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ تاہم اس کے لہجے میں واضح شرارت تھی۔

شافیہ نے ترچھی نظر سے اسے گھورنا چاہا تھا مگر اس کی ہنسی نکل گئی تھی۔ زوہیب کے تاثرات ہی کچھ ایسے تھے۔ وہ خود بھی ہنس پڑا تھا اور کمرے کی فضا سے سابقہ گھٹن بڑے دنوں بعد ریتگتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ دونوں کے درمیان جو اجنبیت کی دیوار آ رہی تھی۔ وہ خود بخود گرتی چلی گئی تھی۔

باہر گیلی رات کا فسوں پھیل رہا تھا۔ اور اندر نرم ملائم چاندنی سی چٹک رہی تھی۔

ایک مہکتا خوب صورت احساس بکھر رہا تھا۔

اپنائیت اور چاہت کی پُر فضا مہک کو پاکر بھی شافیہ اس بات کا اظہار نہیں کر سکی تھی کہ وہ لوگوں کے لیے نہیں صرف زوہیب کے لیے تیار ہوئی ہے۔

رویے اظہار کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور یہاں شافیہ عموماً "کنجوسی دکھا جاتی تھی۔ اور یہ ٹھیک نہیں تھا۔



ساون کے مہینے اسے بھاتے نہیں تھے۔

جیسے ہی ساون کی جھڑی لگتی تھی ہر سو' ہر چیز سیلی ہوئی دکھائی دیتی' اوپر سے زوہیب کی فرمائشیں عاجز کر دیتی تھیں۔

کبھی اسے پھوڑے' چنے کھانے ہوتے' کبھی پورے' کبھی مٹھیاں۔ سب محنت طلب پکوان تھے۔ شافیہ کا پورا پورا دن کچن میں نکل جاتا تھا۔

اور جب وہ میٹھے پکوان بنا کر باہر نکلتی تب امی کی دہائیاں اسے الٹے قدموں کچن کی طرف دوڑاتی تھیں۔

"بہو ہو تو بہو بن کر دکھاؤ گی۔ میرا ذرا بھی خیال نہیں.... میٹھا نہیں کھا سکتی۔ نمکین تو کھا سکتی ہوں۔ اتنا نہیں ہو سکا۔ نمک پارے بنا لیتیں۔ پکوڑے تل لیتیں۔ بیسن کی ٹکیہ بنا دیتیں۔"

امی کا فرمائشی پروگرام کیا شروع ہوتا' بچے بھی بھوک بھوک چلاتے پہنچ جاتے تھے۔ ان کے لیے منچورین بنتا تو فلک اور زوہیب بھی تب تک دفتر سے آجاتے۔

وہ بھی برسات کی ایک شام تھی۔

شافیہ نے عصر کے وقت مشین لگا کر کپڑے دھوئے تھے' اسی وقت رم جھم بوندیں گرنے لگیں۔ جیسے تیسے وہ کپڑے سمیٹ کر نیچے آئی تو امی نے بھوک بھوک چلانا شروع کر دیا تھا۔ شوگر کی وجہ سے انہیں وقت بے وقت بھوک لگ جاتی تھی۔ اس نے پکوڑے بنانے کے لیے آمیزہ تیار کیا تو ہما اور زنیر نے میکرونی کی فرمائش کر دی تھی۔

پہلے امی کو پکوڑے تل کر دیے تھے۔ پھر بچوں کو میکرونی بنا کر دی تھی تب ہی فہنا کا بینڈ بجنے لگا۔ آج شاید اس کے پیٹ میں درد تھا۔ اس کی ایک آنکھ بھی سوجی ہوئی تھی۔ شاید کیڑے نے کاٹ لیا تھا۔ برسات میں پتنگے بھی تو بہت نکلتے تھے۔ اسے پیٹ کے درد کی دوائی دی تھی۔ اس کے باوجود فہنا کا رونا بند نہیں ہو رہا تھا۔

امی کو کہنا ہی پڑا۔

"اسے آدم کے پاس لے جاؤ۔ اس کی آنکھ میں درد ہے۔" وہ فہنا کو ہلکان ہوتے کب سے دیکھ رہی تھیں۔

"اکیلی جاؤں؟" وہ منمنا کر رہ گئی تھی۔

"یہ کارنر تک جانا ہے۔" امی نے خفگی سے کہا تھا۔

"زنیر کو ساتھ لے جاؤ۔ زوہیب کے آنے تک تو بچی ہلکان ہو جائے گی۔" اسے جانا ہی پڑا تھا۔ زنیر اس کے ساتھ تھا۔

ڈاکٹر آدم بیزار نے سارے "بیزار مریضوں" کو

چھوڑ کر فبنا کا چیک اپ کیا تھا۔ اس کی آنکھ میں انفکشن تھا۔ ٹریٹ منٹ کے بعد ایسے پر سکون ہو کر سوئی کہ پھر جاگی نہیں۔

آدم بھی ساری خوش اخلاقی ان کی فیملی پہ نچھاور کر دیتا تھا۔ اب بھی امی اور زوہیب کا حال احوال پوچھنے لگا۔ "وہ بے وفا نظر نہیں آتا۔" آدم کا اشارہ زوہیب کی طرف تھا۔

"وہ بے وفا ہمیں نظر نہیں آتا۔ آپ کو کہاں سے آئے گا۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔ پھر آدم نے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد پوچھا تھا۔

"آپ کے گھر مہمان آئے ہیں بھابھی!" اس کے لہجے میں کچھ تجسس سا تھا یا شاید پھر شافیہ کو ہی محسوس ہوا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"ہاں۔ جی بچے آئے ہیں۔ آمنہ آپی کے۔"

"اور۔۔۔؟" آدم کے اور میں خاصی بے تابی تھی۔ شافیہ نے سادگی سے بتایا تھا۔

"اور آپی کے شوہر کی بھتیجی۔۔۔ اس کی یہاں جاب ہے۔" فلک کے ذکر پہ اس کا اندر سلگ گیا تھا۔

"آپ کے ہاں قیام ہے کیا۔۔۔؟"

"جی ہاں۔" وہ فبنا کو کندھے سے لگا کر اٹھنے لگی تھی۔ آدم نے بھی اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"رات کو میں فبنا کو چیک کرنے آؤں گا۔"

"بہت شکریہ۔" شافیہ کا انداز متشکرانہ ہو گیا۔ جب وہ اور زنیرہ دوائی لے کر گھر پہنچے تھے تب تک فلک اور زوہیب بھی گھر آچکے تھے۔

وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ زوہیب کا منہ پھولا ہوا تھا۔ شافیہ کو پتا تھا زوہیب کا موڈ وقت پہ کھانا نہ ملنے پہ آف ہو جاتا تھا۔ وہ کچن میں جانے لگی تھی تب وہ تپ کر بول اٹھا تھا۔

"اب رہنے دو کیا ضرورت ہے میرے لیے تردد کرنے کی۔ صبح بھی ناشتے کے بغیر گیا تھا۔ لنچ کا بھی ٹائم نہیں ملا اور اب خالی برتن منہ چڑا رہے تھے۔" زوہیب کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

"جانے تم گھر میں فارغ رہ کر کرتی کیا ہو۔" اسے طنز کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ شافیہ لب بھینچ کر کچن میں گھس گئی۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا اپنے فارغ رہنے کی پوری تفصیل اسے سنا دیتی کہ ایک لمحہ بھی آرام کے لیے نہیں ملتا تھا۔

"دوسری عورتوں کو دیکھو وہ کماتی بھی ہیں اور گھر بھی سنبھالتی ہیں۔" فلک کے سامنے اس بے عزتی پہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ فلک بہت انجوائے کر رہی تھی۔

"اور تم سے وقت پہ کھانا تک نہیں بنتا۔" زوہیب کا بھونپو بجتا جا رہا تھا۔ شافیہ لب بھینچ کر چکن فرائی کرنے لگی۔ مسالہ تو تیار تھا۔ بس چکن ڈال کر بھونتا اور دم دینا تھا۔ دوسرے چولہے پہ اس نے توا رکھ کر چپاتیاں بنانا شروع کر دی تھیں۔

باہر ابھی تک زوہیب کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ پھر وہ اپنا دفتری بیگ اٹھا کر سٹنگ روم میں چلا گیا تھا۔ امی بھی بڑبڑا رہی تھیں۔

"شافیہ پتا نہیں کرتی کیا ہے۔ اتنا نہیں ہوتا۔ زوہیب کے آنے سے پہلے کھانا بنا لے۔ پتا بھی ہے 'وہ باہر کا کھانا نہیں کھاتا۔ پھر فلک بھی موجود ہے۔ کم از کم مہمان کا خیال ہی کر لے۔" فلک ان کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ اپنا ہاتھ ان کے گھٹنے پہ رکھ کر بولی۔

"آنٹی! میں مہمان تھوڑی ہوں۔ میرا اپنا گھر ہے۔ آپ میرے لیے کلٹی فیل نہ کریں۔ میں تو خود پکا کر کھا سکتی ہوں۔" فلک کے میٹھے لہجے پہ امی نہال ہو گئی تھیں۔

"تمہارا اپنا گھر ہے بیٹا! جو دل کرے کھایا پکایا کرو۔"

"تو پھر کل سے میں ناشتہ بنا لیا کروں گی۔" فلک نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ امی نے سر ہلا دیا۔ مبادا فلک کو برا نہ لگ جائے کہ اسے گھر کا فرد نہیں سمجھتے۔ ویسے بھی صبح شافیہ مشکل سے نیند قربان کر کے اٹھتی تھی۔ رات بھر فبنا جگائے رکھتی۔ اکثر زوہیب صرف شیک وغیرہ پی کر چلا جاتا تھا۔ پھر شافیہ امی کو ناشتہ دے کر آدھا گھنٹہ ضرور سوتی تھی۔ ورنہ سر کا درد ہی نہ

جاتا۔ ان دنوں ' ہما ' زنیر کی وجہ سے روٹین ڈسٹرب تھی۔

جب شافیہ نے روٹیاں بنا کر ہاٹ پاٹ میں رکھ دیں۔ کڑاہی کو دم دے دیا۔ تب ہی فلک کچن میں آئی تھی۔ اس نے آنا "فانا" ہاٹ پاٹ اٹھایا۔ چکن کو ڈش میں ڈالا 'فریج سے سلاد نکالا اور برتن ٹرے میں رکھ کر پانچ منٹ میں کھانا چن دیا۔

وہ کھانا سٹنگ روم میں لگا آئی تھی۔

شافیہ کی شروع سے عادت تھی۔ وہ کھانا بنا کر پہلے سارا کچن سمیٹتی تھی پھر کھانا لگاتی اور سب مل کر کھاتے تھے۔ وہ کچن کے پھیلاوے کو جب تک ٹھکانے نہ لگا لیتی اسے بے چینی لگی رہتی تھی۔

وہ اب بھی سارے جھوٹے برتن دھو کر ' کچن صاف کر کے سٹنگ روم میں آئی تو سب لوگ کھانا کھا چکے تھے۔ محض جھوٹے برتن منہ چڑا رہے تھے اور یہ ڈیڑھ سال میں پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ شافیہ کا انتظار کیے بغیر ہی کھانا کھا لیا گیا۔

شافیہ کو ایک دم دھچکا لگا تھا۔ اس کے قدم آگے بڑھ ہی نہ سکے۔ وہ پردے کے پیچھے کھڑی رہ گئی تھی۔ اندر سے خوشگوار ماحول میں بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"تم نے کڑاہی بہت اچھی بنائی تھی فلک.... تمہارے ہاتھ میں بہت ٹیسٹ ہے۔" یہ زوہیب کی آواز تھی۔

جواباً" فلک نے مسکرا کر تعریف وصول کی تھی۔ کہا کچھ بھی نہیں... تردید بھی نہیں کی اور زوہیب کیا شافیہ کے ہاتھ کا ذائقہ بھی بھول گیا تھا۔؟ اسے پتا نہیں چلا تھا کہ کھانا شافیہ نے بنایا ہے فلک نے نہیں؟ دل چاہ رہا تھا ابھی کے ابھی وہ اندر جا کر بھانڈا پھوڑ دے۔ مگر وہ ایسی بدلحاظ ہرگز نہیں تھی۔

"ویسے فلک آپا! آپ کے ہاتھ میں ماما جیسا ٹیسٹ ہے۔" یہ ہما تھی شافیہ رک سی گئی۔ اسے ہما پہ ٹوٹ کے پیار آ گیا تھا۔ زوہیب سے اچھی تو ہما تھی۔ کم از کم پہچان تو رکھتی تھی۔

"کہیں اس نے تمہاری ماما کا ٹیسٹ تو نہیں چرا لیا۔" زوہیب نے شرارتاً" ہما سے پوچھا تھا۔

"بچ کے رہنا فلک! شافیہ کی کوئی چیز بھی چراؤ گی تو وہ بہت برا پیش آئے گی۔" اب وہ فلک کو ڈرا رہا تھا۔

فلک اس کی شرارت سمجھ کر ہنس دی تھی۔

"میں ڈر کے میدان چھوڑ کر بھاگنے والی نہیں ہوں۔" فلک کی آواز آئی تھی۔ در پردہ وہ شافیہ پہ کیا جتا رہی تھی؟ شافیہ جیسے سُن سی ہو گئی تھی۔ فلک کے لہجے میں کیا کچھ نہیں تھا؟ یقین ' اعتماد استحکام۔ کچھ کر دکھانے کے ارادے۔

اس کے اردگرد خدشات پھن پھیلا رہے تھے۔ آگے کیا ہونے والا تھا؟



اگلی صبح بھی بارش کی بوندوں کے ساتھ طلوع ہوئی تھی۔

رات سے فہنا کی طبیعت بہت خراب تھی۔ اسے بخار نے گھیر لیا۔ ساری رات وہ وقفے وقفے سے روتی رہی تھی۔

فہنا کا بھونبو زوہیب کو ڈسٹرب کر رہا تھا۔ کمرے میں روشنی کی وجہ سے اسے ویسے بھی نیند نہیں آتی تھی۔ اوپر سے فہنا کا رونا۔

"اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے! چپ کیوں نہیں ہوتی۔ مجھے سونا' مرنا ہے۔" زوہیب بلاوجہ شافیہ پہ چڑھ دوڑا تھا۔ وہ جو فہنا کو کندھے سے لگا کر تھپک تھپک کے سلا رہی تھی۔ ایک دم غصے میں آ گئی۔

"میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔ جو اس کا مسئلہ بیان کر سکوں۔ بخار کی وجہ سے رو رہی ہے۔" شافیہ نے غصے میں جواب دیا تھا۔

"تو کوئی میڈیسن دو۔ اس کے مسئلے تو ختم نہیں ہوتے۔ کبھی آنکھ میں درد' کبھی پیٹ میں درد۔" وہ چڑتے ہوئے بولا تھا۔ شافیہ کی تیوری پہ بل آ گئے تھے۔

"بچوں کے ساتھ یہ تکلیفیں لگی رہتی ہیں۔ بچے بیمار ہوتے رہتے ہیں۔ بجائے بچی کی تکلیف سمجھنے

کے'اس کا حال پوچھنے کے آپ اپنی نیند کے لیے ہلکان ہو رہے ہیں۔ جانے آپ کیسے باپ ہیں۔" شافیہ کو غصے کے ساتھ ساتھ بے طرح دکھ نے بھی گھیر لیا تھا۔

"یعنی میں بہت برا باپ ہوں؟" زوہیب کو پوری بات میں بس یہی قابل اعتراض پوائنٹ ملا تھا۔

"میں نے یہ کب کہا ہے۔" شافیہ چڑ گئی تھی۔

"تمہاری بات کا مطلب تو یہی ہے۔ میں برا باپ ہوں۔ آج یہ کہہ رہی ہو۔ کل یہ کہنا' میں برا شوہر ہوں۔" وہ تڑختا چلا گیا تھا۔ شافیہ کا پہلے سے دکھتا سر کچھ اور دکھنے لگا۔

"زوہیب! آخر آپ کو کیا ہو رہا ہے۔" وہ فہنا کو تھپکتے تھپکتے تھک گئی تھی۔ زوہیب نے تکیہ اٹھایا اور منہ پر رکھ لیا تھا۔

"صبح کام کرنا ہے دفتر میں۔ رات بھر نیند پوری نہیں ہوتی۔ تمہیں کمانا پڑے تو پتا چلے۔" زوہیب نے تکیے کے نیچے سے جواب دیا تھا۔ آج کل وہ بات بے بات اسے یہی طعنہ مار رہا تھا کہ اسے کمانا پڑتا تو پتا چلتا۔ وہ گھر میں فارغ' ویلی نکمی روٹیاں توڑتی ہے۔ وہ بھی عورتیں ہیں جو سارا دن مردوں کے شانہ بشانہ کماتی بھی ہیں۔ گھر بھی سلیقے سے چلاتی ہیں۔ بچے بھی پالتی ہیں۔ سسرالیوں کے ساتھ بھی اچھے مراسم رکھتی ہیں۔ جانے وہ مثالی عورتیں کہاں تھیں؟

"میں بھی کوئی فارغ نہیں رہتی۔ پورا دن ڈنگروں کی طرح کام کرتی ہوں۔ یہاں دس نوکرانیاں بھی اتنا کام نہ کر سکیں۔" شافیہ کو بھی بالآخر جتانا پڑا تھا۔

"بہت ناشکری عورت ہو تم! گھر میں بیٹھے سب کچھ مل رہا ہے تب ہی زبان گز بھر لمبی ہے۔ ان بے چاری عورتوں سے پوچھو' جو صبح صبح دھکے کھاتی' روزی کی تلاش میں دن بھر ذلیل ہوتی ہیں۔ گھر بھی چلاتی ہیں۔ بچے بھی پالتی ہیں۔"

اور یہ تب سے ہو رہا تھا جب سے فلک یہاں آئی تھی۔

"آپ خوامخواہ جھگڑا طویل کر رہے ہیں۔" شافیہ اب یہ فضول سی چخ چخ ختم کرنا چاہتی تھی۔

"اب تم مجھے جھگڑالو کہو گی۔" زوہیب ان دنوں الٹی گنگا میں بہہ رہا تھا۔ ہر سیدھی بات بھی اسے الٹی لگتی تھی۔

"اف' میرے خدا! کہاں پھنس گئی ہوں۔" شافیہ کا مارے جھنجلاہٹ کے برا حال ہو گیا تھا اور ادھر زوہیب کو جیسے کرنٹ لگا۔ اس نے تکیہ ہٹا کر شافیہ کو دیکھا تھا۔

"کیا کہا تم نے؟ پھنس گئی ہو؟ میرے گھر کے قفس میں؟ یعنی میرا گھر تمہارے لیے قید خانہ ہے؟ اور تم یہاں ایک مظلوم کنیز کی طرح رہ رہی ہو؟" زوہیب اس کی جھنجلاہٹ کو اپنے من پسند معنی پہنا کر پھٹ پڑا تھا۔ شافیہ نے اپنا سر ہی تھام لیا۔

"میں نے یہ سب نہیں کہا۔" شافیہ جھنجلا کر تڑخی تھی۔

"تم بھلا کیا کہہ سکتی ہو کند ذہن عورت! کاش تم میں عقل ہوتی۔ ذہن ہوتا' دماغ ہوتا۔" اب زوہیب نے نیا راگ الاپنا شروع کر دیا تھا۔ ان دنوں اسے شافیہ بہت کند ذہن' کم عقل اور احمق نظر آتی تھی۔ بات بے بات اسے کند ذہنی کے طعنے دیتا تھا۔ خاص طور پر فلک کے سامنے اور وہ اپنی ذہانت سے بھرپور آنکھوں سے حظ اٹھاتی تھی۔ مسکراتی بھی اور شافیہ کو متبسم اور شرارتی انداز میں دیکھ کر زچ کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

پھر رات ایسے ہی بحث و تکرار میں گزر گئی تھی۔ فجر کے قریب شافیہ کی آنکھ لگی۔ پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو بارش رک چکی تھی۔ وہ بستر سے اٹھ کر بھاگتی ہوئی باہر آئی تھی۔

زوہیب گو کہ پراٹھے وغیرہ کا ہیوی ناشتہ نہیں کرتا تھا پھر بھی ٹوسٹ' آملیٹ کچھ نہ کچھ ہلکا پھلکا ضرور کھاتا تھا۔ شافیہ کو افسوس ہوا۔ کیا زوہیب بغیر کچھ کھائے پیے دفتر چلا گیا تھا؟

وہ جلدی سے لاؤنج میں آئی تو میز پہ ناشتے کی باقیات رکھی تھیں۔ چائے کے برتن تھے۔ شاید فریج ٹوسٹ بنائے تھے۔ ملک شیک بھی بنا ہوا تھا۔ زوہیب تیار

شیار ناشتہ کر چکا تھا۔ اب صوفے پہ بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ فلک شاید تیار ہونے اپنے کمرے میں گئی تھی۔
شافیہ کے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے۔
زوہیب اخبار دیکھتا فلک کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ دونوں اکٹھے ہی دفتر جاتے تھے۔ شافیہ پہ نظر پڑی تب بھی وہ بے نیاز ہی رہا تھا۔ اور شافیہ جانتی تھی وہ ناشتہ کر چکا ہے۔ پھر بھی محض اسے مخاطب کرنے کے لیے پوچھا تھا۔

"زوہیب! ناشتہ لاؤں؟"
اس کی آواز پہ زوہیب ایسے چونکا جیسے یہ آواز قطعی طور پہ غیر متوقع سنائی دی تھی۔
"کیا تمہاری قریب کی نظر کمزور ہے؟ میں ناشتہ کر چکا ہوں۔ تم اپنی نیند پوری فرمالو۔" زوہیب کا انداز خاصا خفا خفا تھا۔ شافیہ لب بھینچ کر کھڑی رہ گئی تھی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔
"آج معمول سے ہٹ کر ناشتہ کیا ہے؟" اس کا اشارہ فرنچ ٹوسٹ کی طرف تھا۔ زوہیب کو اس کا انداز طنزیہ لگا تھا۔ اس نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔
"کوئی معمول سے ہٹ کر پیار سے ناشتہ بنا کر دے گا تو کھا لینے میں کوئی قباحت ہے کیا؟" اس کا لہجہ بلا کا چبھتا ہوا تھا۔ شافیہ کے سر پہ جا لگی تھی۔ اس کے اندر دھواں سا بھرنے لگا۔
"پیار سے؟" اس نے دھیمی سلگتی آواز میں پوچھا تھا۔ زوہیب اس کا کاٹ دار لہجہ نظر انداز کر گیا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔
"کم از کم تمہیں مہمان کا احساس کر لینا چاہیے۔ اور اپنے فرائض پہ بھی نظر ثانی فرما لینی چاہیے۔ مجھے ناشتہ دینا فلک کی ذمہ داری نہیں۔"
اس کی آنکھوں اور لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ جو شافیہ کو ذرا شرمندہ کر گیا۔ زوہیب اس سے خفا تھا۔ بالکل غیر متوقع اس نے آگے بڑھتے زوہیب کا ہاتھ اچانک پکڑ لیا تھا۔ زوہیب کچھ پل کے لیے رک سا گیا تھا۔
اچانک ہی اس کے تاثرات بدل گئے تھے اور آنکھوں میں خفگی اور سختی کی جگہ نرمی اتر آئی تھی۔

"کیا ہے؟" زوہیب کا لہجہ ملائم تھا۔ تب شافیہ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے نم آواز میں پوچھا۔
"مجھ سے خفا کیوں ہیں آپ زوہیب!" اس ادا پہ زوہیب گرتے گرتے بچا تھا۔ شافیہ کبھی اس کی خفگی کو خاطر میں نہیں لائی تھی۔ وہ خود ہی خفا ہو کر مان جاتا تھا۔ آج کچھ انوکھا ہوا تھا۔
"خفا تو میں ہوں۔" زوہیب نے بھی مٹی گیلی اور نرم دیکھ کر سانچے بدل لیے تھے۔ اب جا کے تو وہ اس انداز میں ہاتھ لگی تھی۔ اس کی خفگی اور ناراضی کی پروا کرتی ہوئی۔
"یہی تو میں پوچھ رہی ہوں کیوں؟" شافیہ نے جھنجلا کر کہا۔
"تم مجھے نظر انداز کرتی ہو۔" وہ کہنا چاہتا تھا مگر رک سا گیا۔ پیچھے شاید فلک کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے بالکل الگ اور غیر متوقع بات کی تھی۔
"تم مجھے کچھ ٹیڑھی میڑھی لگتی ہو اس لیے۔" اس نے شرارت اپنے اندر دبا کر سنجیدگی سے کہا تھا۔ شافیہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ تو کیا نوبت یہاں تک آ گئی تھی؟ وہ زوہیب کو ٹیڑھی میڑھی لگنے لگی تھی؟
"ارے یار! ہاتھ تو چھوڑو۔ صبح صبح رومینس خیر تو ہے۔" زوہیب نے اس کی طرف جھک کر بڑے مزے سے کہا تھا۔ وہ خفیف ہو کر قدرے دور ہٹ گئی تھی۔
"اب میں نے یہ بھی نہیں کہا۔ تم دس میل دور کھڑی ہو جاؤ۔" وہ اس کے قریب آ گیا تھا۔ پھر اس نے شافیہ کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔
"تم آج کل اتنا کباب کیوں ہو رہی ہو؟ ارے میں نہیں تمہارے ہاتھوں سے نکلنے والا۔" زوہیب نے ایک آنکھ دبا کر شرارت کی تھی۔ شافیہ مسکرا بھی نہ سکی۔

"بھلا تمہارے جیسے مردوں کا کیا بھروسا۔ جب لکشمی خود چل کر پاس آئے تو کون کافر نگاہ چراتا ہے؟" شافیہ کو میز پہ رکھے لوازمات کی باقیات اپنا منہ چڑاتی نظر آ رہی تھیں۔



ان دنوں ساون ماند پڑ گیا تھا۔ بارشیں رک چکی تھیں۔ دھوپ چڑھتی اور پورا دن سورج آگ اگلتا تھا۔

گرمی کا زور ایک مرتبہ پھر بڑھ گیا تھا۔

ان دنوں امی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ شافیہ ہروقت ان کی نظر کے سامنے رہے۔ اوپر سے گھر کی ذمہ داری بھی تھی۔ آمنہ کو عمرہ کرکے واپس آنا تھا۔ تب تک زنیرا اور ہما یہیں تھے۔

اس دن کے بعد ناشتے کی ذمہ داری خود بخود فلک نے اٹھالی تھی۔ اور یہ ذمہ داری شافیہ کو بہت بھاری پڑی تھی۔ اس کے بار بار منع کرنے کے باوجود فلک علی الصبح کچن میں جلوہ افروز ہو جاتی تھی۔ گو کہ وہ صرف اپنا اور زوہیب کا ناشتہ بناتی تھی تاہم پھیلاوا اتنا ہوتا جیسے دس بندوں کا ناشتہ بنا ہو۔

برتنوں کا انبار لگ جاتا تھا۔ بس ملک شیک' چائے اور سلائس' آملیٹ' فرنچ ٹوسٹ بنانے کے چکر میں سنک برتنوں سے بھر دیتی تھی۔

امی چونکہ ان دنوں بیمار تھیں' اس لیے وہیل چیئر پہ بیٹھ کر سارے گھر کا جائزہ لینے سے قاصر تھیں۔ اگر ان کو بھنک بھی پڑ جاتی کہ فلک ان کے کچن کو اتنے "پھوہڑ پن" سے استعمال کر رہی ہے۔ تو انہوں نے بغیر لحاظ کیے اسے باہر کی راہ دکھا دینی تھی۔ اس معاملے میں وہ بد لحاظی کی حد تک صاف گو تھیں۔

گندگی' بدسلیقگی اور پھوہڑ پن ان کی برداشت سے باہر تھا۔

وہ تو ایسی خاتون تھیں جو کچن میں کام کے دوران ایک ایک چیز کو ٹھکانے پہ رکھتی جاتی تھیں۔ شافیہ میں ایسا ہی سلیقہ تھا اور فلک ان دونوں کے برعکس تھی۔ بلاشبہ کھانا وہ لاجواب بناتی تھی۔ تاہم پھیلاوا پھیلانے میں بھی لاجواب تھی۔

صبح جب وہ ناشتہ بنا کر بن ٹھن کے زوہیب صاحب کی ہمراہی میں دفتر روانہ ہوتی' تب شافیہ کو ڈیڑھ گھنٹہ لگتا تھا کچن سمیٹنے میں۔ اس کے بعد وہ اپنا اور امی' بچوں کا ناشتہ بناتی تھی۔

اس صبح بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ فلک جیسے ہی ٹرے اٹھا کر باہر نکلی شافیہ اندر آتی دکھائی دی تھی۔ اس نے رستے میں ہی فلک کو روک لیا تھا۔

"دیکھیں فلک! آپ مہمان ہیں زحمت مت کیا کریں۔ زوہیب کو بھی برا لگتا ہے۔ میں اٹھتی ہوں تو آپ ناشتہ بنا چکی ہوتی ہیں۔" اس نے بڑی شائستگی سے کہا تھا۔

"زحمت کیسی؟ میں فارغ ہوتی ہوں اور جلدی اٹھ جاتی ہوں۔ ویسے زوہیب کو کیا برا لگتا ہے؟" فلک نے ایک بھوں اچکا کر پوچھا تھا۔

"آپ کا ناشتہ بنانا۔" شافیہ صاف گوئی سے بولی تھی۔ فلک کے چہرے کا واضح طور پر رنگ بدل گیا تھا۔

"لیکن اس نے تو مجھے کبھی نہیں کہا۔" وہ بمشکل گڑبڑا کر اپنا اعتماد بحال کر سکی تھی۔

"آپ کو کیوں کہیں گے؟ وہ مجھے کہتے ہیں۔ میں خود ناشتہ بنایا کروں۔ آفٹر آل میں ان کی بیوی ہوں۔" شافیہ نے صاف لفظوں میں اسے اپنے اور زوہیب کے رشتے کا احساس دلایا تھا۔ جسے وہ جان کر نظرانداز کرتی تھی۔ "اور آپ مہمان ہیں۔ مہمانوں کو تکلیف دینا ہمارے ہاں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔" اس نے مزید ٹکڑا لگایا۔ مہمان پر زور دیتے ہوئے اس نے فلک کو اس کی حیثیت یاد دلائی تھی۔

"تکلیف کیسی؟ میں اپنی خوشی سے کرتی ہوں۔" فلک کو بھی لاجواب کرنا آتا تھا۔

"آپ کی خوشی کیا ناشتے تک ہی محدود ہے؟ کبھی ڈنر وغیرہ بھی بنالیا کریں۔" شافیہ کا دل چاہا کہہ ڈالے۔ پھر لحاظ آڑے آگیا تھا۔

"زوہیب تو ہر روز جوس اور شیک کی ڈائٹ لے کر آفس جاتا تھا۔ میں نے اس کی ڈائٹ کو چینج کر دیا ہے۔ وہ لنچ نہیں لیتا۔ خود کو فٹ محسوس کرتا ہے۔ مجھے تھینکس کہہ رہا تھا۔" اب وہ اتراتے ہوئے اپنی قابلیت ظاہر کر رہی تھی۔ شافیہ اندر تک سلگ گئی۔

"اسے میرے ہاتھ کا ناشتہ پسند ہے۔" فلک نے نخوت سے اسے جتلایا۔ "اسی لیے تم سے اب ناشتہ نہیں بنواتا۔" وہ اب بھی اترا رہی تھی۔ شافیہ کے اندر تپش بڑھنے لگی۔

"ان کا معدہ ہے کوئی کنواں نہیں۔ جو وہ دہرے ناشتے کا بار اٹھا سکے۔ آپ زحمت کر لیتی ہیں تو پھر مجھے زحمت دینا' زوہیب کو پسند نہیں۔" شافیہ نے بڑے سلیقے سے اس کا منہ بند کر دیا تھا۔ اندر سے وہ بہت تپی ہوگی۔ تاہم بظاہر مسکرا کر چلی گئی تھی۔



صحن میں پھیلی دھوپ سے نگاہ چرا کر اس نے سبزی والے سے ٹوکری بھر کے سبزی لی تو کار نر والی کوٹھی سے آدم بھائی باہر نکلتے اور اسی طرف آتے دکھائی دیے تھے۔

شافیہ نے سبزی والے کو روک لیا۔

"لگتا ہے آدم بھائی کو سبزی لینی ہے۔" وہ آدم کے ہاتھ میں ٹوکری دیکھ چکی تھی۔ کچھ ہی دیر میں آدم ان تک پہنچ گیا تھا۔ وہ سبزی والے کو سخت ڈانٹ رہا تھا۔ جو آواز لگا کر آگے بھاگ آیا تھا۔ سبزی والا اترانا جاننے والا تھا۔ ڈانٹ پہ دانت نکوستا رہا۔۔۔ پھر مسکرا کر آدم کے قریب ہوا۔ کافی دیر اسے دیکھنے کے بعد۔ غور کرنے کے بعد پھر جب آدم نے سبزی خرید لی اور والٹ نکال کر پیسے دینے لگا تب سبزی والے نے گہرے یارانہ انداز میں کہا۔

"ڈاکٹر جی! تسی بن دیاہ کر ہی لو۔ کدوں تک آپوں سبزی خریدو گے؟"

آدم نے اس کی بات سمجھ کر شافیہ پہ نگاہ ڈالی۔ وہ بھی مسکرا رہی تھی۔ اور دلچسپی سے اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"اپنی باجی سے کہو' میرے لیے لڑکی دیکھیں۔"

"باجی نے شادی دفتر تے نئیں کھولا ہوا؟" سبزی والے کو کھد بد سی ہوئی۔ آدم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"نہیں یار۔" آدم نے اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

"پر میں کہاں سے ڈھونڈوں گی؟ آپ کو پتا تو ہے۔ میں کہیں آتی جاتی نہیں۔" شافیہ نے گڑبڑا کر جواب دیا تھا۔

"حد ہے بھابھی! واقعی آپ کی قریب کی نظر کمزور ہے۔ آپ آئیے گا کلینک' چیک اپ کروں گا۔" آدم نے چڑ کر کہا۔

"مطلب۔۔۔؟"

"لڑکی آپ کے بغل میں موجود ہے۔ اسے تلاشنے کی ضرورت نہیں۔" اب کہ آدم نے مسکرا کر اشارہ کیا تو شافیہ ہکا بکا رہ گئی۔

"آپ فلک کی بات کر رہے ہیں؟" اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

"سو فیصد۔" وہ اور بھی مسکرایا۔

"اچھا۔۔۔!" شافیہ کا اچھا ضرورت سے زیادہ طویل ہو گیا تھا۔

"آپ فلک کے لیے سیریس ہیں؟" اس کا سوال احمقانہ سا تھا۔ آدم چڑ گیا۔

"سیریس ہوں۔ تب ہی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ فلک کی رائے معلوم کر لیں۔ باقی معاملہ تو آنٹی کے سپرد ہے۔" اس نے زوہیب کی امی کا نام لیا تھا۔ شافیہ سر ہلا کر اندر چلی گئی تھی۔ پوری رات وہ اسی پہ غور کرتی رہی۔

کیا وہ زوہیب سے بات کرے؟

"اوں ہوں' ہرگز نہیں۔" اس نے پہلے خیال کو خود ہی مسترد کر دیا تھا۔ فلک' زوہیب کی پہلی پہلی محبوبہ رہ چکی تھی۔ کیا خبر وہ کوئی رکاوٹ کھڑی کر دیتا۔

کیا فلک سے؟

"اوں ہوں۔" اس نے دوسرے خیال کو بھی مسترد کر دیا۔ بھلا فلک کہاں مانے گی۔ وہ تو زوہیب کے ارد گرد گھوم رہی ہے۔

پھر کس سے بات کرنی چاہیے؟ امی سے؟ ہوں' یہ ٹھیک ہے۔

اس نے پوری رات کروٹیں بدلنے میں گزاری

تھی۔ پھر صبح اٹھتے ہی امی کے کمرے میں پہنچ گئی۔ وہ نماز ادا کر کے تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

شافیہ کو دیکھا تو اشارے سے پاس بٹھالیا۔ پھر فارغ ہو کر اس پہ پھونک ماری اور زوہیب کا پوچھا۔

"سو رہے ہیں۔" اس نے اشارے سے بتایا تھا۔

"اور فہنا۔"

"وہ بھی۔" شافیہ انگلیاں چٹخاتی خاصی مضطرب تھی۔ امی نے تسبیح مکمل کر کے رکھ دی تھی۔ اب اس کی طرف متوجہ تھیں۔ شافیہ نے خود ہی کہنا شروع کیا۔

"امی! آدم بھائی ملے تھے گیٹ کے باہر... سبزی لے رہے تھے۔ انہوں نے فلک کا ذکر کیا تھا۔" امی کو پوری تفصیل بتا کر اب وہ ان کی رائے جاننا چاہ رہی تھی۔ امی کا انداز بھی پرسوچ ہو گیا تھا۔ انہیں یہ بات پسند آئی تھی۔

"میرے ذہن میں بھی یہ خیال آچکا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو کچھ برا نہیں۔ آدم کا گھر بن جائے گا اور فلک بھی کھونٹے سے لگے گی۔ شتر بے مہار پھر رہی ہے۔" امی نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"تو پھر آپ فلک سے بات کریں نا۔" شافیہ بہت بے تاب نظر آرہی تھی۔

"میں اس سے بات کرتی ہوں۔" امی نے ہامی بھرلی تھی۔ اور شافیہ کے سر سے ایک نادیدہ بوجھ کھسک گیا تھا۔ فلک نام کا "ہوا" سر سے اترنے والا تھا۔ لیکن یہ شافیہ کی خام خیالی ہی تھی۔

ہوا کچھ یوں۔



فلک کو یہاں آئے ہوئے مہینہ ہو چکا تھا۔ ابھی تک وہ اپنے گھر ایک ویک اینڈ پہ بھی نہیں گئی تھی۔ عجیب لڑکی تھی۔ اسے اپنا گاؤں اپنا گھر اور اپنے ماں باپ یاد نہیں آتے تھے۔

حالانکہ اسی صبح فلک کی اماں نے کال کی تھی۔ وہ فہنا کا دودھ لینے کے لیے اٹھی تھی۔

فلک کے کمرے کا دروازہ تھوڑا کھلا تھا۔ اندر سے صاف آواز آرہی تھی۔

"اماں! کہہ تو رہی ہوں۔ مجھے شادی نہیں کرنی۔ آپ یہ اونگے بونگے رشتے اپنے پاس رکھیں۔" فلک شدید جھلا رہی تھی۔

"اسکول ہیڈ ماسٹر ہے، کوئی کمشنر نہیں۔ مجھے نہیں کرنی۔" اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

"حد ہے اماں! مجھے گاؤں میں نہیں رہنا۔ میں یہاں جاب کرتی ہوں۔ شادی بھی یہیں کروں گی۔ آپ اسی شہر میں رشتہ ڈھونڈیں۔" فلک نے اماں کو ٹالتے ہوئے کہا تھا۔ شافیہ مزید سننے کے لیے کھڑی نہیں ہوئی تھی۔ کچھ سوچتی ہوئی کچن میں چلی گئی تھی۔

پھر اسی دوپہر امی نے فلک کو آڑے ہاتھوں لے لیا تھا۔ وہ جو سندھی بریانی بنانے کی تیاری کر رہی تھی، بددل سی ہو گئی۔ امی نے ذرا بھی لحاظ روا نہیں رکھا تھا۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

"فلک! کب تک ایسے رہو گی، کیا شادی نہیں کرنی؟ یہی مناسب عمر ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ پڑھ بھی لیا۔ نوکری بھی ہے۔ اب شادی کرلو۔"

"آنٹی! ایسے کیسے کرلوں۔ کوئی ڈھنگ کا پرپوزل تو ہو۔" صاف لگ رہا تھا، وہ امی کو ٹالنا چاہ رہی تھی۔

امی تو لمحوں میں پرجوش ہو گئی تھیں۔

"پرپوزل تو ہے... اپنا آدم کتنا نیک اور سجیلا۔ اگر تم ہامی بھرو تو میں تمہارے ابا سے بات کرلوں گی۔" امی نے جیسے ہتھیلی پہ سرسوں جمانے والی بات کر دی تھی۔ اور فلک جیسے ہکا بکا رہ گئی۔

"نن نہیں پلیز۔" اس کا سارا اعتماد ہوا ہو گیا تھا۔

"ارے نہیں کیوں؟" امی کو بہت برا لگا۔ "اچھے آدم میں کیا کمی ہے۔ ایک بوڑھی ماں ہے۔ اپنا گھر اپنا کلینک۔ کوئی جھنجھٹ نہیں۔ تم تو راج کرو گی۔"

شافیہ کا دماغ کھول اٹھا تھا۔ صاف لگ رہا تھا۔ وہ انکار کیوں کر رہی تھی؟ زوہیب کی وجہ سے۔ شافیہ سرتاپا سلگ اٹھی تھی۔

"فی الحال نہیں۔" فلک نے جان چھڑائی تھی۔



اس کی گردن پھنسی دیکھ کر زوہیب کو مداخلت کرنی پڑی تھی۔ وہ ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا۔ امی کے پاس فلک کو پھنسے دیکھ کر فوراً "مدد" کے لیے آگے بڑھا۔

"امی! یہ فلک کا پرسنل میٹر ہے۔ آپ اسے کیوں فورس کرتی ہیں۔"

"حد ہے بیٹا! کیا بڑے سمجھاتے بھی نہیں۔۔۔ میں اس کے بھلے کی بات کر رہی ہوں۔" امی کو سخت ہی برا لگا تھا۔

"امی! وہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، مگر فلک پڑھی لکھی ہے۔"

"آدم میں کیا کمی ہے۔ ایسی رشتے نصیب والوں کو ملتے ہیں۔"

"آدم۔۔۔" زوہیب اٹھتے اٹھتے چونک گیا تھا۔ "کیا اس نے پرپوزل دیا ہے۔" اس کا انداز کچھ پر سوچ تھا۔ اب کہ اس کے لہجے میں تیزی نہیں تھی۔

"ہاں تو اور کیا۔" امی نے کلس کر جواب دیا تھا۔ اب کے فلک بھی چونکی تھی، تاہم اس کے تاثرات وہی تھے۔ گویا اسے آدم کے پرپوزل سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ ظاہر ہے امیدیں زوہیب سے جو لگا رکھی تھیں۔

"اچھا۔۔۔" زوہیب کا اچھا خاصا معنی خیز تھا۔ اس نے بلا ارادہ ہی فلک کی طرف دیکھا تھا۔ فلک نے گہرا سانس کھینچا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔

پھر جاتے جاتے لمحہ بھر کے لیے رکی۔

"مجھے فی الحال شادی نہیں کرنی۔ اس لیے آپ ترود نہ کریں۔" بڑے شائستہ انداز میں لپیٹ لپاٹ کر وہ انکار ان کے منہ پہ مار گئی تھی۔ امی اور شافیہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔ بڑے روکھے پھیکے اور بد مزہ سے یہ دن گزرتے جا رہے تھے۔

شافیہ اور زوہیب کے تعلقات بھی سرد مہری کا شکار تھے۔ کیونکہ فلک ان دنوں پوری طرح زوہیب پہ چھائی ہوئی تھی۔ دونوں ہی بڑے مصروف نظر آتے تھے۔ صبح نکلتے تو شام کی خبر لاتے تھے۔ اور زوہیب دفتر سے آکر بھی اتنا ہی لاتعلق نظر آتا تھا۔ یا تو ٹی وی کے آگے جم کر بیٹھ جاتا تھا یا پھر بستر پہ پڑ کے سو جاتا تھا۔

زوہیب کو اس سے شکایتیں تھیں۔ وہ اسے بلاتا تو شافیہ کاموں کی فہرست نکال کر لے آتی۔ "نتیجتاً" دونوں میں لڑائی ہو جاتی تھی۔

زوہیب کو شافیہ سے گلے تھے اور شافیہ کو زوہیب سے۔

"دنیا کا ہر کام ضروری ہے سوائے میرے۔" وہ آتے جاتے اسے طعنے مارنے سے باز نہیں آتا تھا۔

"اور آپ کو دوسروں کے مسئلے سلجھانے سے فرصت نہیں۔ میں جاؤں بھاڑ میں، آپ بس اپنی ڈیوٹیاں نباہیں۔ ڈرائیور بنے رہیں۔" شافیہ بھی فلک کے حوالے سے چوٹ کرنے سے باز نہیں آتی تھی۔

ان ہی بدمزہ، فضول اور روکھے دونوں میں فلک کی اماں اس سے ملنے کے لیے آگئی تھیں۔ وہ شاید فلک کو لینے کے لیے آئی تھیں یا اسے شادی کے لیے رضامند کرنے۔

مگر فلک کی ایک "نہ" ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ اس نے اپنی ماں کو صاف انکار کر دیا تھا۔ اور وہ یہ انکار کس کی ایما پر کر رہی تھی؟

فلک کی ماں شافیہ کے سر ہو گئی تھیں۔ انہوں نے اس کی منت کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! تم ہی اس کو سمجھاؤ۔۔۔ یہی وقت ہے شادی کا۔ انکار کیوں کرتی ہے یہ۔ اگر کوئی پسند ہے تو بتا دے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

پسند تو اسے ہے۔ مگر یہاں دال نہیں گل رہی۔ بیچ میں میرا کانٹا جو موجود ہے۔ شافیہ کا اندر تک دل جل جل کر خاک ہو رہا تھا۔ پھر فلک کی اماں مایوس اور نامراد لوٹ گئی تھیں۔ امی نے آدم کو فی الحال کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کیونکہ آدم کسی کانفرنس میں شرکت کرنے اسلام آباد گیا ہوا تھا۔

اپنی اماں کے جاتے ہی فلک کے انداز بدل گئے تھے۔ وہ شافیہ کو پورے گھر پہ چھاتی نظر آرہی تھی۔ کیونکہ ان دنوں زوہیب کے ڈھنگ بھی نرالے تھے۔ بن ٹھن کر جاتا تو پھر رات کو ہی واپس آتا تھا۔ اس دوران بھی فلک اس کے سر پہ سوار رہتی تھی۔

وہ دونوں اکٹھے کام کرتے تھے۔ اس دوران سب لوگ کھانا کھا چکے ہوتے اور وہ دونوں آخر میں کھانا کھاتے۔ فلک زوہیب کے لیے کھانا گرم کرتی۔ اکثر اپنے کپڑے پریس کرتی تو زوہیب کے بھی کر دیتی۔ اسے وقت بے وقت چائے کی طلب ہوتی تب بھی فلک چائے سمیت حاضر ہو جاتی تھی۔

پھر یوں ہونے لگا کوئی ڈاکومنٹری' ہارر مووی دیکھنے کا ارادہ بنا تو فلک 'زوہیب کو آواز لگاتی۔

"بڑی سنسنی خیز مووی ہے۔ آجاؤ زوہیب۔"

اور زوہیب ایسے بھاگ کر جاتا جیسے اسی آفر کے انتظار میں بیٹھا تھا۔

اس شام بھی سات بجے کے بعد فون کی گھنٹی بجی تو شافیہ نے کچن سے نکل کر فون اٹھایا۔ آج وہ 'زوہیب کے لیے جل فریزی بنا رہی تھی۔ بہت دن بعد زوہیب کی پسند کا کھانا بنا کر وہ اس کا موڈ بحال کرنا چاہتی تھی' کیونکہ زوہیب اس سے بہت اکھڑا اکھڑا رہنے لگا تھا۔

جب اس نے فون اٹھایا تو غیر متوقع فلک کی کال تھی۔ اس کی آواز سن کر شافیہ حیران رہ گئی۔

"تم کیا کر رہی تھیں شافیہ!" اس نے بڑے دوستانہ انداز میں پوچھا تھا۔ شافیہ کو بتانا ہی پڑا۔

"زوہیب کے لیے جلفریزی بنا رہی تھی۔"

"او' اچھا میں نے تمہیں اس لیے کال کی ہے کہ میں اور زوہیب ڈنر باہر کریں گے۔ تم تکلیف مت کرو۔" فلک نے اطلاع دے کر فون کھٹاک سے بند کر دیا تھا۔ ورنہ شافیہ اسے منہ توڑ جواب ضرور دیتی کہ بی بی! اپنے شوہر کے لیے کچھ بناتے ہوئے 'مجھے کیسی تکلیف؟"

شافیہ بے دم سی صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

آخر فلک اس کے ساتھ کون سا کھیل کھیل رہی تھی۔

کچھ دیر بعد بچوں کو اسپگیٹھی کھلا کر جل فریزی کا سارا سامان سمیٹنے کے بعد وہ بے آواز اپنے کمرے میں بند رو رہی تھی۔ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔

اس نے گھڑی پہ نظر ڈالی اور دھک سے رہ گئی۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ فینا کو ہما نے سلا دیا تھا۔ امی نے بھی اسپگیٹھی کھالی تھی۔ زنیر اور ہما ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

امی شاید سو چکی تھیں۔ ہما نے ان کو دوا بھی کھلا دی تھی۔ شافیہ نے امی کی ٹانگوں کی مالش کی۔ ان کے پیر دبائے اور اپنے آنسو پیتی رہی۔ پھر لائٹ آف کر کے وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ فینا 'ہما کے پاس تھی۔ اس نے اسے اپنے پاس سلا لیا تھا۔ کافی دیر بعد باہر باتوں کی آواز آئی تھی۔ پھر دروازہ کھول کر زوہیب اندر آیا۔ اس نے معمول کے مطابق سلام کیا تھا۔ شافیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ کروٹ بدل کر سوتی بن گئی تھی۔

زوہیب کو اچنبھا ہوا۔ پھر وہ کندھے اچکا کر کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا تھا۔ کافی دیر بعد واپس آیا تب بھی شافیہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔

وہ بہت دیر تک شافیہ کے اٹھنے کا منتظر رہا۔ پھر اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ جارحانہ انداز میں شافیہ تک آیا تھا۔ پھر اس نے بہت شدت سے شافیہ کو جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ وہ چلاتے ہوئے اٹھ گئی تھی۔

"یا وحشت۔" اس نے چلا کر کہا۔ "قیامت آگئی ہے کیا؟"

"مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟" وہ تنک کر پوچھ رہا تھا۔

"میرے ساتھ مسئلہ ہے؟" وہ بھی چیخ پڑی تھی۔

"تو اور کس کے ساتھ ہے؟ کیا تم اپنے فرائض بھول گئی ہو؟ تمہیں میرا ہوش ہے نہ میرے کھانے پینے کی فکر' اور نہ ہی میری کسی ضرورت کا خیال۔" زوہیب نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے جتلایا تھا۔

"آپ کا خیال رکھنے والے کیا کم ہیں؟" شافیہ کا انداز بھی گہرا کاٹ دار تھا۔ زوہیب اسے سلگتی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"تم میری بیوی ہو۔" وہ جتا جتا کر بولا تھا۔

"شکر ہے 'آپ نے یاد رکھا۔" اس نے بھی طنز

کیا۔

"شافیہ! میرا میٹر مت گھماؤ۔" اسے غصہ آگیا تھا۔

"اور آپ چاہے جو مرضی کرتے رہیں۔ میرا میٹر جتنا مرضی گھماتے رہیں۔" شافیہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"میں نے کیا کیا ہے.... " وہ معصوم بن گیا تھا۔

"آپ نے تو کچھ نہیں کیا۔ میری قسمت خراب ہے بس۔" شافیہ زہریلے انداز میں بولی تھی۔

"اچھا چھوڑو' اس بیکار بحث کو کھانا لاؤ میرے لیے۔" زوہیب نے خود ہی سیز فائر کر دیا تھا۔ اس کی بات پہ شافیہ ہکابکا رہ گئی تھی۔

"کھانا؟ تو جو اتنا کچھ رومانٹک ڈنر ٹھونس کر آئے ہیں' وہ کدھر گیا؟" اس کے لفظ لفظ میں کاٹ تھی۔ اب کہ زوہیب ہونق تھا۔

"رومانٹک ڈنر؟ او' اچھا۔" وہ جیسے سمجھ کر سر ہلا گیا تھا۔ پھر اسے غصہ آگیا۔ "میرے کولیگ کی پروموشن ہوئی تھی۔ اس نے ڈنر دیا سب کو۔ اور سب میں مجھے بھی شامل ہونا پڑا۔ اور تم اچھی طرح سے جانتی ہو میں باہر کا کھانا نہیں کھاتا۔ سونے کا بھی بنا ہو تب بھی نہیں۔"

زوہیب کے جتلانے پہ شافیہ پہلے تو ہونق ہوئی تھی' پھر اس پہ گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ واقعی اس چیز کو اس نے کیوں نظر انداز کر دیا تھا۔ زوہیب تو باہر کھانا کھاتا نہیں تھا۔ پھر فلک کو اتنا لمبا چوڑا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا انداز بھی ایسا تھا کہ بندے کو خواہ مخواہ غصہ آجائے۔ پھر اس نے بات کو اتنا گھما کر کیوں کیا؟ غصہ دلانے کے لیے؟ شک ابھارنے کے لیے؟

ان دونوں کے درمیان "دراڑ" لانے کے لیے!

شافیہ کا دماغ کھلنے لگا تھا۔ سوچ کے کئی در' وا ہوتے رہے۔ وہ اس پہلو پہ غور نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن اب کر رہی تھی۔

مگر زوہیب نے زیادہ غور و فکر کرنے نہیں دیا تھا۔ اسے سخت بھوک لگی تھی۔ شافیہ کو کچن میں جانا پڑا۔ جب وہ آملیٹ بنا کر لائی تب زوہیب نے ناک بھوں چڑھالی تھی۔

"کیا سالن نہیں بنایا تھا؟"

"بنانے لگی تھی۔ پھر ایک مسئلہ ہو گیا۔" اس نے مسئلے کی گہرائی اور تفصیل نہیں بتائی تھی۔ اس مسئلے کو شافیہ نے حل کرنا تھا۔ زوہیب نے نہیں۔

پہلے شافیہ کو فلک کے رویوں میں اترنا تھا۔ اس کی سوچ کو پرکھنا تھا؟ آخر وہ چاہتی کیا تھی؟

☼ ☼ ☼

اور پھر یکے بعد دیگرے ہی ایسے چونکا دینے والے واقعات سامنے آئے کہ شافیہ دور تک چوکنا ہو گئی تھی۔ پہلی مرتبہ اس نے جلنے کڑھنے' کسلنے اور لڑنے کے بجائے بڑی گہرائی اور معاملہ فہمی سے حالات کا جائزہ لیا تھا۔ دراصل اس کی توجہ ان معاملات پہ آمنہ نے دلائی تھی۔

آمنہ آپی عمرہ کر کے واپس آچکی تھی۔ اب وہ اپنے بچوں کو لینے کے لیے آئی تھی۔ اس کا قیام بس دو دن پہ مشتمل تھا۔ ان دو دنوں میں جو کچھ آمنہ نے ملاحظہ کیا۔ وہ انتہائی قابل گرفت تھا۔ آمنہ نے اپنے ہی گھر میں فلک کی اجارہ داری محسوس کر لی تھی۔ پھر زوہیب کی بے تکلفی۔ وہ بیوی سے زیادہ فلک سے لگاؤ رکھتا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے.... کہ فلک خود زوہیب سے زیادہ لگاؤ رکھتی تھی۔ اور اسے ہر معاملے میں زبردستی گھسیٹتی تھی۔ کیرم کھیلنے یا لڈو' بیڈمنٹن یا شطرنج.... ہر کھیل میں فلک زبردستی زوہیب کو شامل کر لیتی تھی۔ پھر اس کی پارٹنر بھی بن جاتی تھی۔

آمنہ نے ہر طریقے سے جائزہ لیا تو زوہیب کی طرف سے ایسی قابل گرفت بات نظر نہیں آئی تھی۔ جس طرح وہ مزاجا" کھلا ڈھلا' خوش مزاج' ہنسوڑ اور منہ پھٹ تھا اسی طرح ہر ایک سے بے تکلف ہو جاتا تھا۔ مذاق کرنا' چوٹ کرنا' طنز کرنا.... اس کی عادت کا ایک حصہ تھا۔

لیکن فلک اس بے تکلفی کو دوسرے معنوں اور قالب میں ڈھال لیتی تھی۔ جیسے اس دن زوہیب نے شافیہ سے کہا تھا۔

"بچوں کے کپڑے لے کر آنے ہیں۔ تم فارغ نہیں۔ امی جا نہیں سکتیں۔ آپی تھکی آئی ہیں۔ میں فلک کو ساتھ لے جاتا ہوں۔ اسے ہما اور زینیر کی چوائس کا پتا ہے۔" یہ ایک عام اور سادہ سی بات تھی۔

اس کے باوجود فلک کا بات دہرا کر محض شافیہ کے دل میں دراڑ ڈالنے کے لیے جتانا آمنہ کو بہت قابل گرفت لگا تھا۔

"زوہیب کو میری چوائس پہ بھروسا ہے۔ وہ مجھے کہہ رہا تھا۔ اس کی شاپنگ میں بھی اگر میں ہیلپ کر دیا کروں.... تمہیں تو اندازہ نہیں.... نہ فیشن کی سمجھ ہے۔" فلک کا جتلانا آمنہ کو بھی سخت ناگوار گزرا تھا۔

پھر جب وہ لوگ شاپنگ کر کے واپس آئے تھے تب بطور خاص فلک نے دو سوٹ شافیہ کو دکھائے۔

"یہ مجھے زوہیب نے لے کر دیے ہیں۔ وہ کہتا ہے' میں ایسے کلر پہنا کروں۔ مجھ پر سوٹ کرتے ہیں۔" فلک کی اِتراہٹ کا کوئی انت نہیں تھا۔ شافیہ کا مارے غصے کے برا حال ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ ضبط کر گئی تھی۔

کیونکہ آمنہ نے آج ہی شام کی فلائٹ سے چلے جانا تھا۔ جاتے جاتے وہ سارے حالات کو دیکھتے ہوئے شافیہ کے کان میں سرگوشی کر کے گئی تھی۔

"یو ڈونٹ وری شافی! میں کراچی جا کر اس کے انکل سے فائنل بات کرتی ہوں۔ اس کا اپنے ہی سرکل میں کوئی رشتہ دیکھ کر انگیج کرتے ہیں۔ مگر تم خدارا' ثابت قدم رہنا۔ مجھے تمہاری ذہانت پہ بھروسہ ہے۔"

آمنہ اسے بھرپور تسلی دے کر گئی تھی۔

جانے اسے شافیہ کی کس ذہانت پہ پورا بھروسا تھا۔ ان کا بھائی تو اسے ہر وقت جاہل' ان پڑھ' کند ذہن اور جانے کیا کیا خطاب دیتا تھا۔

آمنہ کے چلے جانے کے بعد پورا ماحول ساکت اور خاموش ہو گیا تھا۔ بچوں کے دم سے رونق تھی جو ختم ہو گئی۔ امی کا دل بھی بڑا اداس تھا۔ انہوں نے فلک سے کہا۔ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھے۔ مگر وہ کام کا بہانہ بنا کر لیپ ٹاپ گود میں رکھ کر مصروف ہو گئی تھی۔

شافیہ کو کچن سے نکل کر امی کو کمپنی دینا پڑی۔ وہ جانتی تھی ان کا دل اداس ہو رہا ہے۔ اس نے بہت ساری ادھر اُدھر کی باتوں سے انہیں بہلا لیا تھا۔ جب وہ اٹھنے لگی تو انہوں نے بڑے پیار سے کہا۔

"تمہیں میرے من کی خبر ہو جاتی ہے؟"

شافیہ نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بے ساختہ مسکرا دی تھیں۔ پھر انہوں نے شافیہ کو دعا دی۔ "سدا سہاگن" رہو۔

شافیہ کا دل بھر آیا تھا۔ وہ بمشکل آنسو چھپاتی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ دل کی حالت عجیب تھی۔ برا ہو اس گھڑی کا۔ جو زوہیب بھی عین وقت پہ پہنچ گیا۔

ان دونوں کے درمیان پہلے بھی بہت الفت نہیں تھی۔ ایک دوسرے سے اکھڑے اکھڑے نظر آتے تھے۔ اس وقت تو زوہیب کا میٹر ہی گھوم گیا۔

"کس کے سوگ میں ہر وقت غم کی تصویر بنی رہتی ہو؟ کبھی تمہارے چہرے پہ مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ کون مر گیا ہے؟ میں تو ابھی زندہ سلامت ہوں۔" اس کے چلانے پہ شافیہ بھی پھٹ پڑی تھی۔

"کبھی اپنے گریبان میں بھی جھانک لیا کریں۔ شرم نہیں آتی آپ کو۔" شافیہ کے جواب پہ اور الزام پہ زوہیب ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"میں کس بات پہ شرم کروں؟" وہ بھی پھٹ پڑا تھا۔

"میری ناک تلے شرمناک کھیل رچانے پہ۔" شافیہ کا انداز آگ لگا دینے والا تھا۔ زوہیب کا مارے غصے اور اشتعال کے برا حال ہو گیا تھا۔ اتنا بڑا اور گھٹیا الزام' وہ بھی بلاوجہ۔

"آخر آپ کھل کر سامنے کیوں نہیں آتے؟ جو ہے بلی' والا کھیل ختم کر دیں۔ سب کچھ جان چکی ہوں میں۔" شافیہ مزید شعلے اگلنا چاہتی تھی مگر اچانک آمنہ کی تنبیہہ اسے ہوش میں لے آئی تھی۔ اس نے ایک دم بات بدل دی۔

"فلک کو سوٹ گفٹ کیے اور مجھے بتایا نہیں.... تحائف کے لین دین سے محبت بڑھتی ہے۔ اتنا تو میں جانتی ہوں۔"

اس کا انداز بڑا سنجیدہ اور سرسری سا ہو گیا تھا۔ زوہیب ایک دم اس کے پینترا بدلنے پہ چپ ہو گیا۔

"تم اس بات پہ رو رہی تھیں؟" اس کا لہجہ اور انداز بدل گیا تھا۔

"آپ نے مجھے بتایا نہیں.... کیا میں منع کر دیتی؟" شافیہ کا مارے دکھ سے برا حال تھا۔ زوہیب لمحوں میں ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ بدگمان ہو رہی تھی۔ یہ ٹھیک نہیں تھا۔ زوہیب کو وضاحت کرنی چاہیے تھی۔ وہ اس کے قریب ہی دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔

"وہ میرے ساتھ گئی تھی بلکہ میں لے کر گیا تھا۔ جب آمنہ آپی کا سوٹ لیا تو اسے بھی دو سوٹ پسند آ گئے تھے۔ وہ اپنے پیسے دینا چاہتی تھی مگر میں نے ایسا نہیں کرنے دیا۔ بہت برا اور انتہائی چیپ لگتا۔" زوہیب نے ملائمت سے بات صاف کر دی تھی۔

"تم خوامخواہ شک میں پڑ کے بدگمان ہوتی جا رہی ہو۔ جو تم سمجھتی ہو ایسا کچھ نہیں۔ بلکہ تم خود مجھ سے دور ہو رہی ہو اور یہ بات لوگ محسوس کرتے ہیں۔"

زوہیب کے اگلے الفاظ اسے ہکا بکا کر گئے تھے۔ کون لوگ محسوس کر رہے تھے؟ اور زوہیب کو بتا بھی رہے تھے؟ اور زوہیب اپنے کرتوتوں پہ پردہ ڈالتے ہوئے سارا الزام اس پہ رکھ رہا تھا۔ شافیہ نفی میں سر ہلاتی رہ گئی تھی۔ پھر ان دونوں کی لمبی جھڑپ ہو گئی۔ زوہیب نے غصے میں آ کر کہہ دیا۔

"جان چھوڑو میری کند ذہن عورت' کہاں سے متھے لگ گئی ہو۔ میری قسمت خراب کرنے کے لیے۔" وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔ "نکل جاؤ میری زندگی سے۔ میرے گھر سے۔ تاکہ سکون آئے مجھے بھی۔" غصے میں وہ اول فول بک رہا تھا۔

"جانے کب جان چھوڑو گی میری۔" وہ کشن اور تکیے پٹختا باہر نکل گیا تھا۔ اور شافیہ سر تھام کر کارپٹ پہ بیٹھ گئی۔ آخر یہ ہو کیا رہا تھا؟

وہ کتنی ہی دیر اسی گورکھ دھندے میں الجھی رہی تھی۔ کئی دفعہ دل چاہتا تھا کہ زوہیب کے سارے کرتوت اس کے سامنے کھول کر رکھ دے۔

وہ ساری باتیں جو فلک اسے بتاتی تھی۔ لنچ کے وقت میں گھومنا' پھرنا' ہوٹلنگ' شاپنگ.... زوہیب کا اس سے بڑھتا التفات' بے تکلفی اور ملال۔

اس بات پہ کہ فلک اسے مل نہیں سکی تھی۔ کیونکہ بیچ میں شافیہ آ گئی تھی۔ فلک اسے اتنے غیر محسوس انداز میں فیڈ اپ کرتی تھی جیسے کسی اور کی باتیں سنا رہی ہو۔

اور شافیہ آخر کب تک اور کہاں تک صبر اور حوصلے سے سنتی اور برداشت کرتی؟

اس کے صبر کی طنابیں چھوٹ رہی تھیں۔ آمنہ کی تمام تر تنبیہہ اور نصیحتوں کے باوجود اس رات شافیہ کے ضبط اور صبر کی ہر حد ختم ہو گئی تھی۔

اس رات جب زوہیب شافیہ سے لڑ جھگڑ کر رات ایک بجے فلک کے چرنوں میں جا بیٹھا تھا۔ دوسرے پہر کی تنہائی میں اپنی بیوی سے لڑنے کے بعد ایک غیر عورت کی قدم بوسی کا آخر مقصد کیا تھا؟

جو کھیل ڈھکے چھپے کھیلا جا رہا تھا؟ کیا وہ کھل کر سامنے آنے والا تھا؟ کیا آج فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی؟

شافیہ آر یا پار اترنے کا آخری فیصلہ کر کے پورے جلال اور اشتعال کے ساتھ ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑنے سٹنگ روم میں پہنچ گئی تھی۔

پھر وہاں پہنچ کر ہوا کیا؟



سٹنگ روم کا پردہ ہل رہا تھا۔

کمرے میں نیم روشنی تھی۔ لیپ ٹاپ کی روشنی۔ میز پہ ڈھیروں کاغذات پڑے تھے۔ فلک کام کرتے کرتے چونک گئی تھی۔ کیونکہ اس کے قریب زوہیب کھڑا تھا۔ بہت بکھرا' الجھا' غصے میں۔

فلک کی تمام حسیات بیدار ہو گئی تھیں۔ اس نے نفی

الفور کاغذ قلم سمیٹ دیے تھے۔ پھر وہ زوہیب کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ وہ قریب ہی کارپٹ پہ بیٹھ گیا تھا۔ وہ بار بار اپنی کنپٹیاں دبا رہا تھا۔ جیسے اس کے سر میں درد ہو۔ اس کا چہرہ بھی سرخ تھا اور آنکھیں بھی لہو رنگ تھیں۔ فلک نے نرمی اور ہمدردی سے پوچھا۔

''تم ٹھیک تو ہو!''

زوہیب نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ وہ کوئی بات کر رہا تھا۔ بے آواز سی۔ جیسے منہ ہی منہ میں۔ فلک کو کان لگا کر سننا پڑا تھا۔ تو گویا زوہیب اس اسٹیج پہ آچکا تھا۔ جب وہ اس کے من پسند جملے لبوں سے ادا کرتا۔

''تم ٹھیک کہتی تھیں..... شافیہ میرے ساتھ خوش نہیں..... میں نے زبردستی اسے اپنے ساتھ باندھ رکھا ہے۔

مجھے اندازہ ہو چکا ہے۔ تم ٹھیک تھیں میں غلط تھا۔ مجھے کوئی حق نہیں' میں شافیہ کو اپنے ساتھ باندھے رکھوں۔ میں اسے آزاد کر دوں گا۔ وہ اپنی من پسند زندگی جیے۔ پھر کیا تم مجھے قبول کرو گی؟'' فلک کے کانوں میں اپنے سوچے گئے جملوں کا رس اتر رہا تھا۔ ابھی وہ اپنی سوچ میں اتر کر خوش بھی نہیں ہو پائی تھی جب زوہیب نے ایک الگ ہی بات کہی۔

''پتا نہیں فلک! شافی کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ پچھلے ایک ماہ سے۔ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔ جانے اسے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ مذاق تک نہیں برداشت کرتی۔ ذرا سی بات پہ بگڑ جاتی ہے۔'' وہ اپنی بھڑاس نکالنے آیا تھا۔ فلک کو اندر تک مایوسی نے گھیر لیا۔ وہ تو کچھ اور ہی سننے کی متمنی تھی۔

''ایک بات کہوں۔ تمہیں ہمیشہ کی طرح بری ہی لگے گی۔'' فلک نے بھی کچھ سوچ کر لوہا نرم دیکھ کر چوٹ کی تھی۔

''ہاں..... کہو۔'' وہ اپنے ہی خیالوں میں تھا۔ جیسے شافیہ کے بگڑنے کی وجہ سوچ رہا ہو۔

''شافیہ تمہارے ساتھ خوش نہیں۔''

فلک نے اتنی بڑی بات آرام سے کہہ دی تھی۔ زوہیب کو جھٹکا لگا تھا۔ وہ ایک دم نفی میں سر ہلا تا لب بھینچ کر رہ گیا۔ کوئی اور ہوتا تو وہ اسے اس بات پہ مزہ چکھا دیتا۔

''میں مان ہی نہیں سکتا۔ وہ میری ساتھ بہت خوش تھی۔ جو بھی مسئلہ ہوا ہے۔ اب ہوا ہے۔'' زوہیب نے شدت سے نفی کرتے ہوئے کہا تھا۔ اس نے بمشکل ہی اپنے اوپر قابو بھی پایا تھا۔

''کیا پتا۔ اس کی زندگی میں اب کوئی آیا ہو۔'' فلک نے روانی میں کہہ تو دیا تھا۔ مگر پھر کہہ کر ہمیشہ کے لیے پچھتائی تھی۔ اس نے زوہیب کا رنگ بدلتے دیکھا تھا۔ اسے غصہ میں آتے دیکھا تھا۔ اسے اشتعال میں مٹھیاں بھینچ کر کھڑے ہوتے دیکھا تھا۔

فلک اندر تک کانپ گئی تھی۔ زوہیب پہ اچانک وحشت سوار ہو گئی تھی۔ وہ ایک دم پوری قوت سے دہاڑا تھا۔

''شٹ اپ فلک! آئندہ ایسی بات منہ سے مت نکالنا۔ میں ایسا قیامت تک سوچ نہیں سکتا۔ مجھے اپنی بیوی پہ اعتبار ہے۔ اس کی محبت پہ اعتبار ہے۔ تم آئندہ ایسی بکواس کبھی نہیں کرو گی۔'' وہ غیض و غضب میں دھاڑتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ زوہیب کا ایک دم غصے میں آجانا' بنتا تھا۔ فلک جانتی تھی۔ جب بھی وہ ایسی بات کرے گی۔ زوہیب کا ری ایکشن یہی ہو گا۔ مگر پتھر میں سوراخ کرنے کے لیے ایسی ضربیں لگانا ناگزیر تھا۔

فلک کو امید تھی۔ ایسی ہی دو تین سچویشن کے بعد نتیجہ حسب منشا ہو گا۔ زوہیب کب تک اعتبار کا راگ الاپتا رہے گا! کب تک شافیہ کی سرد مہری برداشت کرتا رہے گا؟ آخر ایک دن اسے یقین آجائے گا کہ فلک کا کہا غلط نہیں۔ کیونکہ فلک شافیہ کو زوہیب سے آخری حد تک بدگمان کر دے گی۔

زوہیب کے تن فن کرنے کے بعد' وہ لیپ ٹاپ اٹھاتے ہوئے فاتحانہ انداز میں مسکرا کر زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔

''میں زوہیب کو واپس اپنے دائرے میں کھینچ لاؤں گی۔ اس پہ اپنا تسلط قائم کر کے۔ اس کی روٹین کو

اپنے ہاتھوں میں لے کر۔ اس کی من پسند ڈشز بنا کر۔ اس کے گھر پہ کنٹرول کر کے۔

زوہیب کو شافیہ پہ اعتبار ہے... شافیہ کو تو زوہیب پہ اعتبار نہیں نا؟ بہت جلدی شافیہ خود اپنے منہ سے زوہیب کو بے اعتبار کر کے یہاں سے چلی جائے گی۔ وہ ایک نادان' کند ذہن' کم تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ وہ اتنی گہرائی میں جا ہی نہیں سکے گی۔ زوہیب کو ایک مرتبہ شافیہ کے ہاتھوں بے اعتبار کرنا ہے۔ اسے شافیہ کے ہاتھوں ذلیل کروانا ہے۔ جیسے اس نے مجھے بے اعتبار کیا تھا۔ شادی کا لارا لگا کر راہ بدل گیا۔ کم از کم اتنی سزا تو زوہیب کو ملنی چاہیے؟

بعد میں بھلے وہ شافیہ کو منا کر گھر لے آئے... لیکن ایک مرتبہ تو اسے "ڈسٹرب" ہونا پڑے گا۔ جیسے اس نے مجھے ڈسٹرب کیا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی اپنا اگلا لائحہ عمل تیار کر رہی تھی۔

"اور اگر شافیہ نہ آئی۔ ضد میں آ گئی۔ تو میں قربان گاہ پہ قربان ہونے کے لیے آل ریڈی تیار ہوں۔"

فلک نے مسکرا کر اپنی پلاننگ کو انجوائے کیا تھا پھر چیزیں سمیٹ کر اندر چلی گئی تھی۔

جبکہ پردے کے پیچھے کھڑی شافیہ اس کی شاطرانہ چال پہ دم بخود سی رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے کئی پردے ہٹ گئے تھے۔ پھر اس کند ذہن شافیہ نے اس ذہین فلک کو بغیر مات کھائے' چت کر دیا تھا بھلا کیسے؟



کچھ لوگوں کو اپنی عقل اور ذہانت پہ بڑا مان ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ اپنی عقل اور ذہانت سے وہ معصوم' احمق اور بدھو لوگوں کو بڑی آسانی سے پچھاڑ سکتے ہیں۔

فلک کو بھی کچھ اسی طرح سے اپنی عقل پہ مان تھا۔ گو کہ معاملہ وہی روایتی سا تھا۔ ایک لڑکے کو ایک لڑکی سے پسندیدگی نما محبت ہوئی۔ یہ محبت بھی نہیں تھی۔ ایک دوسرے کو پسند کرنا محبت نہیں ہوتا۔

بیچ میں کچھ ایسے حالات آئے کہ ان دونوں کی شادی نہ ہو سکی۔ وقتی طور پر زوہیب نے تھوڑا سا اثر لیا تھا بعد میں بھول بھال گیا۔ کیونکہ پسند بدلتی رہتی ہے محبت ہرگز نہیں بدلتی۔

آمنہ نے فلک پہ شافیہ کو کچھ سوچ کر ہی ترجیح دی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ فلک اس کی ماں کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتی۔ فلک گھر نہیں سنبھال سکتی۔ فلک اس کی ماں کے مزاج کو برداشت نہیں کر سکتی۔

اس کی ماں نکتہ چین' وہمی اور تنگ مزاج عورت تھی۔

صفائی کے معاملے میں وہ اچھے اچھوں کا ناطقہ بند کر دیتی تھیں۔ ان کے ساتھ پورا دن گزارنے والا بندہ ایوارڈ کا حق دار تھا۔ وہ پورے دن دو ڑائے رکھتی تھیں۔ ان کے سوال ختم نہیں ہوتے تھے۔ کوکنگ انہیں کلاس کی متاثر کرتی تھی۔ ہر چیز میں وہ سو سو کیڑے نکالتی تھیں۔ قصہ مختصر ان کے ساتھ رہنا ان کو برداشت کرنا بڑے حوصلے کا کام تھا۔ اور یہ حوصلہ صرف شافیہ کے پاس تھا۔ اور کسی کے پاس نہیں تھا۔ فلک کے پاس تو بالکل بھی نہیں فلک جب ان کے گھر ویک اینڈ پہ آتی تھی تب امی تندرست تھیں۔ وہ ہر چیز کو خود میں رکھتی تھیں' تب فلک بھی ایک آدھ ڈش بنا کر امی کا دل جیت لیتی تھی۔

اب جب وہ یہاں رہنے کے لیے آئی تھی اور اس نے زوہیب کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے کچن اور گھر میں دلچسپی لینا شروع کی' تب بھی شافیہ بیک پہ موجود تھی۔ وہ گھر اور کچن کو برابر صاف کرتی تھی۔ فلک کے پھیلاوؤں کو سمیٹ دیتی تھی۔ امی کو فلک پہ نکتہ چینی کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اور نہ ہی فلک کا پھوہڑپن انہیں نظر آیا تھا۔

اسی طرح فلک بھی امی کے اصل جوہر دیکھنے سے محروم تھی۔

اسی نکتے کو فوکس کر کے شافیہ نے زوہیب کے نام مختصر خط لکھا اور روپوش ہو گئی۔

اس خط کا متن کچھ یوں تھا۔ "آپ نے مجھے گھر سے نکلنے کی دھمکی دی ہے... اور میں یہ گھر چھوڑ کر جا

رہی ہوں۔ آپ مجھ جیسی جاہل' ان پڑھ' کند ذہن سے تنگ آچکے ہیں۔ آپ کے لیے اجازت ہے۔ اپنی من پسند شریک حیات کو لے آئیں۔ جو لمبی چوڑی ڈگریاں جہیز میں لائے۔"

اس خط کو دیکھ کر قیامت آگئی تھی۔ بلکہ قیامت تین گھنٹے پہلے آچکی تھی۔

ہوا کچھ اس طرح سے تھا۔

شافیہ کے منظر سے ہٹتے ہی فلک کی شامت آگئی تھی۔ اسے گھر' کچن' امی اور فہنا کو ایک ساتھ سنبھالنا پڑا تھا۔ شافیہ کے جاتے ہی کرائسس کے اس دور میں اپنے محسنوں کو تنہا' بے یارومددگار چھوڑ کر جانا کہاں کا انصاف تھا؟

پھر امی اسے جانے بھی نہیں دے رہی تھیں۔

"میری شافیہ نجانے کہاں چلی گئی۔ اب تم بھی جا رہی ہو۔ ہرگز نہیں۔ تم یہیں رہو گی۔ ہمیں کون سنبھالے گا۔" اس وقت تو فلک نے جی جان سے ہامی بھرلی تھی' مگر اگلے تین گھنٹوں میں اسے نانی' دادی اور اماں تک یاد آگئی تھیں۔

زوہیب کی امی نے اسے تگنی کا ناچ نچا ڈالا تھا۔ صرف ایک دن میں فلک خوفناک حد تک اس گھر سے اور اس گھر کی بزرگ سربراہ سے تنگ آگئی تھی۔

شافیہ کے جاتے ہی جس استحقاق سے اس نے پورے مالکانہ حقوق کے ساتھ کچن میں قدم رکھا تھا۔ یہ سارا نشہ ناشتے کے دوران ہی ہرن ہو گیا۔ جب آنٹی اپنی وہیل چیئر کے ہمراہ اس کے سر پہ سوار ہو گئی تھیں۔ تب ان پہ فلک کے پھوہڑپن کے۔۔۔ کئی راز آشکار ہوئے تھے۔ اس نے پورا کچن چھلکوں اور برتنوں سے بھر دیا تھا۔ آنٹی کی کنستری اور واویلے کو سنا تو ہاتھ سے آئل کی بوتل گر پڑی۔ پورا فرش چکنائی سے بھر گیا تھا۔ وہ فرش دھونے میں لگی تو دودھ ابل ابل کر فنا ہو گیا۔ اوپر سے فہنا کا بھونپو۔

پھر کپڑوں کا ڈھیر دھوتے ہوئے اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔ صفائی کرتے' دانتوں تلے پسینہ آگیا تھا۔ آنٹی سر پہ کھڑی ہو کر صفائی کرواتی تھیں۔ ایک ایک کونے سے گرد نکلواتی تھیں۔

پھر دوپہر کے کھانے کی باری آئی۔ تب بھی آنٹی سر پہ سوار۔۔۔ سالن جل گیا۔ روٹیاں کچی رہ گئیں۔ برتن ہاتھوں سے گر گر کر ٹوٹتے رہے۔ فہنا بھوکی چلاتی رہی۔ آنٹی سر تھام کر بیٹھی تھیں اور زوہیب جو شافیہ کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ ابھی ابھی گھر آیا اور مچھلی بازار بنے گھر کو دیکھ کر چکرا گیا۔ فلک تھک ہار کر اپنا سر گود میں گرائے بیٹھی تھی۔ امی دہائیاں دے رہی تھیں۔ فلک کو کوستے' طعنے' باتیں۔۔۔ لحاظ تو وہ بھی نہیں کرتی تھیں۔

"ارے' ایسی پھوہڑ تھی۔۔۔ ہمیں تو اللہ نے بچا لیا۔ کیسی سلیقہ مند بہو خدا نے مجھے دی۔ ایک دن بھی ماتھے پہ شکن نہ آئی۔۔۔ میں کہتی ہوں زیبی! میری شافی کو رات سے پہلے پہلے گھر لے آ۔۔۔ ورنہ اپنی شکل مت دکھانا۔ کیا کہہ دیا تم نے۔ جو وہ دل پہ صدمہ لے کر گھر چھوڑ کے چلی گئی۔" امی کو مارے صدمے کے ہول اٹھ رہے تھے۔ انہیں زوہیب کی طرف متوجہ دیکھ کر فلک نے بھی بے ساختہ زوہیب کو مخاطب کیا تھا۔

"زوہیب! تم ابھی کے ابھی شافیہ کو لے آؤ۔ شافیہ کے بغیر اس گھر کو کوئی نہیں چلا سکتا۔۔۔ اور تمہاری بیوی دنیا کی سب سے اچھی بیوی ہے۔ ایک آسکر سے اوپر والے ایوارڈ کو ڈیزرو کرتی ہے۔ مجھے اماں کے بلاوے کی فکر نہ ہوتی تو شافیہ کو ڈھونڈنے میں تمہاری مدد کرتی۔۔۔ اور تم پلیز! کبھی کسی ناوان دوست کی باتوں میں آکر اپنی ہیرے جیسی بیوی کو کبھی مت کھونا۔۔۔ مجھ سے جو غلطی ہوئی۔ اس کے لیے شافیہ سے بھی غائبانہ معافی مانگتی ہوں۔ اچھا۔۔۔ جلد ملنے کے لیے خدا حافظ۔۔۔ عنقریب ملاقات رہے گی۔ جب ہم پڑوسی بنیں گے یا محلہ وار۔ میں شافیہ سے اس کے پہاڑ جتنے حوصلے اور برداشت' صبر' تحمل اور سلیقے کی کلاس ضرور لوں گی۔"

فلک نے اپنے الجھے بکھرے بالوں کو سمیٹا۔۔۔ اندر سے اپنا بیگ اٹھایا اور لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"میری ویگن نکلنے والی ہے۔ جاتی ہوں 'بائے بائے آنٹی!'' اس کی آواز نیچے تک اور اوپر تک گونجتی رہ گئی تھی۔ اوپر یعنی؟ جی ہاں ٹھیک سمجھے۔ اوپر والا پورشن۔ جس کے کارنر والے کمرے کی کھڑکی میں شافیہ کھڑی تھی۔ اور نیچے کے تمام مناظر کو دیکھ رہی تھی۔

جو کچھ نیچے چل رہا تھا۔ وہ شافیہ کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

اور نیچے کیا ہوا تھا۔ اب کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔

سدا کی کند ذہن شافیہ نے منظر سے ہٹ کر ہر چیز کی اصلیت واضح کردی تھی۔ اس کے منظر سے ہٹتے ہی ہر ایک چیز منظر پہ ہی نہیں اپنی جگہ پہ بھی آگئی تھی۔

گو کہ تھوڑا صبر سے کام لینا پڑا تھا۔ جب فہنا بھوک سے چلا رہی تھی یا پھر زوہیب جب اسے ڈھونڈنے کے لیے باہر دھکے کھانے جارہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ چھلانگ لگا کر اسے باہر جانے سے روک لے۔

لیکن بہت ساری چیزوں کو ٹھیک کرنے کے لیے یہ سب کرنا ضروری تھا۔

سب سے پہلے فلک جیسی کوالیفائیڈ لڑکی کو احساس دلانا تھا کہ خدا کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ انسان اپنی قسمت سے زیادہ کچھ نہیں پاسکتا۔ اور جو کوئی بوجھ اٹھانے کی اہلیت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بوجھ اٹھانے کی طاقت بخشتا ہے۔

اور یہ بھی کہ ہر خواہش کا پورا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ وہ زوہیب کو پا لیتی مگر کبھی نباہ نہ کرسکتی۔ کیونکہ زوہیب اپنی ماں سے جڑا تھا اور اس کی ماں کو برداشت کرنا ایسا آسان کام نہیں تھا۔

اس لیے آمنہ نے فلک پہ شافیہ کو ترجیح دی تھی۔ کیونکہ شافیہ میں تحمل' صبر اور برداشت کا مادہ بے بہا تھا۔ منظر سے ہٹنے کا ایک مقصد زوہیب کو یہ جتلانا بھی مقصود تھا کہ اسے شافیہ کی محبت کا احساس ہو اور وہ کم از کم آئندہ زندگی میں اسے کند ذہن کہنے سے گریز کرے۔

اور یہ تو شافیہ جانتی ہی تھی۔ جیسی ہی اس نے اوپر والے پورشن سے نیچے اترنا تھا۔ تھکے ہارے گلی گلی کی خاک چھان کر آئے زوہیب نے ہکا بکا ہو جانا تھا۔ پھر ساری کہانی تو اسے سمجھ آہی جاتی۔ سو زوہیب آئندہ زندگی میں کبھی اسے کند ذہن یا احمق نہیں کہہ سکتا تھا۔

جہاں تک زوہیب کی اس سے محبت کا تعلق تھا۔ تو شافیہ کو یقین آچکا تھا۔ زوہیب کی زندگی میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں... کیونکہ زوہیب کے اعتبار اور فلک کے سامنے اقرار نے عمر بھر کے لیے اسے سرخرو کردیا تھا۔ منظر سے ہٹنے کا ایک اور مقصد بھی تھا۔

اب زوہیب اور زوہیب کی امی کبھی بھی' عمر بھر مذاق میں بھی فلک کو بہو بنانے کے ملال کا اظہار نہیں کریں گے اور زوہیب کبھی بھی فلک کے نام پر ٹھنڈی آہ نہیں بھرے گا۔

اس کے علاوہ ایک اور چیز تھی... جسے شافیہ کی اعلیٰ ظرفی کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس نے فلک کی پلاننگ اور سطحی سوچ کو زوہیب اور امی سے ہمیشہ کے لیے چھپا لینے کا عہد 'خود سے کر کے فلک کا بھرم رکھ لیا تھا اور جس طرح اس نے شافیہ کو زوہیب سے بدگمان کرنا چاہا تھا۔ وہ سب کچھ در گزر کر گئی تھی۔ وہ کبھی بھی زوہیب یا فلک کو نہیں بتائے گی کہ اس نے فلک کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ فلک کو زوہیب کی نظروں سے کبھی نہیں گرائے گی۔ اور جو دراڑ ان دونوں کے درمیان اس کی وجہ سے آئی تھی اسے خود مٹا دے گی۔ کیونکہ فلک عنقریب زوہیب کے دوست ڈاکٹر آدم بیزار کی زوجہ محترمہ بننے والی تھی۔

فلک نے یہاں سے بھاگنے اور آدم کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے بہت غور و فکر کیا تھا۔ آدم چھڑا چھانٹ تھا۔ نہ ماں نہ باپ یعنی نہ ساس نہ سسر نہ نند نہ دیور... کوئی بھی جھنجٹ نہیں تھا۔ اس کی زندگی اس گھر سے زیادہ اس گھر میں پرسکون گزر سکتی تھی۔

لیکن فلک ایک بات پہ غور کرنا بھول گئی تھی کہ آدم کی پہلی دو منگنیاں کیوں ٹوٹیں؟

جی ہاں... آدم بھی نا... زوہیب کی امی کے قبیلے سے ہے۔ انتہائی صفائی پسند' تنگ مزاج اور بلا کا نکتہ چین... امی اور آدم بیزار میں ایک ہی روح بیک وقت قیام کرتی ہے۔

نوکرانی وہاں بھی نہیں ٹکتی... کیونکہ آدم بیزار بھی امی کی طرح سر پہ کھڑے ہو کر... جی ہاں' سمجھ گئے نا؟

اور اب شافیہ کو نیچے چلے جانا چاہیے تھا۔ کیونکہ وہ اپنی ساس اور شوہر کا مزید امتحان لینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنے خوش مزاج' ہنس مکھ اور پل بھر میں ہر ایک سے بے تکلف ہو جانے والے محبوب شوہر کی بے بسی اور صبر کا مزید امتحان نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس لیے وہ فیصلہ کر کے نیچے اترنے لگی تھی۔ اور اسے شان بے نیازی سے سیڑھیاں اترتے دیکھ کر زوہیب چیخ رہا تھا۔ خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔

''امی... امی شافیہ اوپر سے۔'' خوشی کی شدت' تعجب' حیرت اور شافیہ کی اسی گھر میں موجودگی نے اسے ہکلا دیا تھا' وہ خوشی کے مارے چلا رہا تھا۔ اور امی شکرانے کے نفل ادا کرنے جا رہی تھیں۔

صد شکر کہ شافیہ 'اوپر والے نے' دوبارہ بھیج دی تھی۔ انہوں نے اپنے تئیں زوہیب کی بات دعائیہ انداز میں مکمل کر دی تھی۔ شافیہ کی قدر و قیمت کوئی ان چند گھنٹوں میں امی سے پوچھتا۔

لیکن زوہیب ساری صورت حال کو لمحوں میں سمجھ کر ہنسنے پہ آیا تو پھر ہنستا ہی چلا گیا تھا۔ کیونکہ وہ جان گیا تھا کہ کس طرح شافیہ نے منظر سے ہٹ کر ماحول کو فلک کے وجود سے پاک کیا تھا۔ کس طرح اپنے دماغ کو کام میں لا کر فلک کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور کس طرح فلک کا بھرم توڑے بغیر اسے ٹھکانے لگا دیا تھا۔

اور پھر شافیہ نے زوہیب پہ عمر بھر کے لیے ثابت بھی کر دیا تھا کہ کند ذہن کون ہے؟

